ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

شعلۂ طور

از

جگر مرادآبادی

انتساب

میں اپنی ان ادبی کاوشوں اور جگر پاروں کو

مولائی و آقائی حضرت مولانا اصغر حسین صاحب اصغرؔ گونڈوی قبلہ مرحوم و مغفور

کے اسم گرامی پر جن کے فیضان توجہ اور برکات تربیت کا نتیجہ وہ سب کچھ ہے جو

شعلۂ طور کی صورت میں حاضر کیا جا رہا ہے

اور

مخدوم و محترم صفی الدولہ حسام الملک شمس العلما نواب علی حسن

خاں صاحب طاہرؔ مرحوم کے نام نامی پر جن کی سعی بلیغ کا یہ کرشمہ تھا کہ شعلۂ طور

مکمل تہذیب اور ترتیب کے ساتھ پیش کیا جا سکا

اپنے دل کی تمام گہرائیوں کے ساتھ معنون کرتا ہوں

جگر مرادآبادی



لہجہ سنو کلام فصاحت نواز کا　　　تارِ نفس میں سوز ہے مطرب کے ساز کا

جناب علی سکندر صاحب جگرؔ مرادآبادی

غزلیاتِ اردو

(الف)

غزلیات فارسی

وارداتِ جگر

یعنی

کلامِ عہدِ حاضر

یا

دورِ چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی اور نہ ساز بے صدا ہوگا

ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو، محشر میں کیا ہوگا
سب اُسکو دیکھتے ہونگے، وہ ہم کو دیکھتا ہوگا

سر محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا
در جنت نہ وا ہوگا، در رحمت تو وا ہوگا

جہنم ہو کہ جنت، جو بھی ہوگا فیصلہ ہوگا
یہ کیا کم ہے، ہمارا اور اُن کا سامنا ہوگا

ازل ہو یا ابد دونوں اسیر زلف حضرت ہیں
جدھر نظریں اُٹھاؤ گے یہی اک سلسلہ ہوگا

یہ نسبت عشق کی بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی
جو محبوب خدا کا ہے، وہ محبوب خدا ہوگا

اسی امید پر ہم طالبان درد جیتے ہیں
خوشا درد کے تیرا درد، درد لا دوا ہوگا

نگاہ قہر پر بھی جان و دل سب کھوئے بیٹھا ہے
نگاہ مہر عاشق پر اگر ہوگی تو کیا ہوگا

یہ مانا بھیجدے گا ہم کو محشر سے جہنم میں
مگر جو دل پہ گزریگی وہ دل ہی جانتا ہوگا

سمجھتا کیا ہے تو دیوانگان عشق کو زاہد
یہ ہو جائیں گے جس جانب اسی جانب خدا ہوگا

جگر کا ہاتھ ہوگا حشر میں اور دامن حضرت
شکایت ہو کہ شکوہ، جو بھی ہوگا برملا ہوگا

عشق کو بے نقاب ہونا تھا　　آپ اپنا جواب ہونا تھا
مست جامِ شراب ہونا تھا　　بے خودِ اضطراب ہونا تھا
تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں　　ہاں مجھی کو خراب ہونا تھا
آؤ، مل جاؤ، مسکرا کے گلے　　ہو چکا جو عتاب ہونا تھا
کوچۂ عشق میں نکل آیا　　جس کو خانہ خراب ہونا تھا
مست جامِ شراب خاک ہوئے　　غرقِ جامِ شراب ہونا تھا
دل کہ جس پر ہیں نقش رنگا رنگ　　اس کو سادہ کتاب ہونا تھا
ہم نے ناکامیوں کو ڈھونڈ لیا　　آخرش کامیاب ہونا تھا
ہائے وہ لمحۂ سکوں کہ جسے　　محشرِ اضطراب ہونا تھا
نگہِ یار خود تڑپ اٹھتی　　شرطِ اول خراب ہونا تھا
کیوں نہ ہوتا ستم بھی بے پایاں　　کرم بے حساب ہونا تھا
کیوں نظر حیرتوں میں ڈوب گئی　　موجِ صد اضطراب ہونا تھا

ہو چکا روزِ اولیں ہی جگر!
جس کو جتنا خراب ہونا تھا

ایک رنگیں نقاب نے مارا　　حسن بن کر حجاب نے مارا
جلوۂ آفتاب کیا کہیے　　سایۂ آفتاب نے مارا
اپنے سینے ہی پر پڑا اکثر　　تیر جو اضطراب نے مارا

نگہِ شوق و دعوئ دیدار — اس حجاب الحجاب نے مارا
ہم نہ مرتے ترے تغافل سے — پرسشِ بے حساب نے مارا
لذتِ دید بے جمال نہ پوچھ — دردِ بے اضطراب نے مارا
چھپتے ہیں، اور چھپا نہیں جاتا — اس ادائے حجاب نے مارا
حشر تک ہم نہ مرنے والوں کو — مرگِ ناکامیاب نے مارا
پاتے ہی اک اشارۂ نازک — دم نہ بھر اضطراب نے مارا

دل کہ تھا جانِ زیست آہ جگر!
اسی خانہ خراب نے مارا

ستم کامیاب نے مارا — کرم لاجواب نے مارا
خود ہوئی گم ہمیں بھی کھو بیٹھی — نگہِ بازیاب نے مارا
زندگی تھی، حجاب کے دم تک — برہمئ حجاب نے مارا
عشق کے ہر سکون آخر کو — حسن کے اضطراب نے مارا
خود نظر بن گئی حجابِ نظر — ہائے اس بے حجاب نے مارا
میں ترا عکس ہوں کہ تو میرا — اس سوال و جواب نے مارا
کوئی پوچھے کہ رہ کے پہلو میں — تیر کیا اضطراب نے مارا
بچ رہا جو تری تجلی سے — اس کو تیرے حجاب نے مارا
اب نظر کو کہیں قرار نہیں — کاوشِ انتخاب نے مارا

سب کو مارا جگر کے شعروں نے
اور جگر کو شراب نے مارا

شورشِ کائنات نے مارا
موت بن کر حیات نے مارا

پرتوِ حسنِ ذات نے مارا
مجھ کو میری صفات نے مارا

ستمِ یار کی دہائی ہے
نگہِ التفات نے مارا

میں تھا رازِ حیات اور مجھے
میرے رازِ حیات نے مارا

ستمِ زیست آفریں کی قسم
خطرۂ التفات نے مارا

موت کیا؟ ایک لفظِ بے معنی
جس کو مارا حیات نے مارا

جو پڑی دل پہ سہہ گئے لیکن
ایک نازک سی بات نے مارا

شکوۂ موت کیا کریں کہ جگر!
آرزوئے حیات نے مارا

عاشق کو غمِ عشق کے آزار نے مارا
اِک یار کو اک یارِ وفادار نے مارا

تو نے نہ اٹھایا رُخِ نادیدہ سے پردہ
دنیا کو تری حسرتِ دیدار نے مارا

ہاں، اے لبِ جاں بخش! دہائی ہے دہائی
انکار سے بڑھ کر ترے اقرار نے مارا

ہونے کو تو ہر مرگِ محبت ہے مبارک
اے عشق! خوشا وہ کہ جسے یار نے مارا

کیا اس کی محبت کا ٹھکانا کہ جسے آہ
انکارِ محبت کے بھی اقرار نے مارا

کچھ کہہ تو گیا، برقِ غضب بن کے جسے پھونکا
اُف کر نہ سکا، جس کو ترے پیار نے مارا

دونوں ہی جفا جو ہیں جگرؔ! عشق ہو یا حسن
اک یار نے لوٹا مجھے، اک یار نے مارا

عشق کی یہ نمود پیہم کیا؟
ہو محقق تم اگر، تو پھر ہم کیا؟

آہ بیتاب و اشتابِ پیہم کیا؟
نقدِ غم ہے، تو حاصلِ غم کیا؟

جز ترے، کچھ نظر نہیں آتا
آرزو بن گئی مجسم کیا؟

تیرا ملنا، ترا نہیں ملنا
اور جنت ہے کیا، جہنم کیا؟

میں وہاں ہوں جہاں نہیں میں بھی
عالم و ماورائے عالم کیا؟

ہم ہیں تیرے ودیعتیں تیری
شکرِ راحت، شکایتِ غم کیا؟

ان نگاہوں کے سب کرشمے ہیں
ورنہ، یہ اضطرابِ پیہم کیا؟

کر لیا دل نے عیشِ وصل قبول
پا گیا کچھ شباہتِ غم کیا؟

نیتِ شب بخیر، اے ساقی
بزمِ جم کیا ہے؟ ساغرِ جم کیا؟

شوقِ گستاخ کر چکا تقصیر
دیکھتا اب ہے، حسن برہم کیا؟

موت کی نیند چھائی جاتی ہے
کہہ چکا میں فسانۂ غم کیا؟

ہمہ تن عشقِ برملا بن جا
درد کی اک صدائے مبہم کیا؟

اس نظر میں نہیں سماتا کچھ
جانِ بیتاب و چشمِ پرنم کیا؟

عشقِ خاموش کے مزے ہیں جگرؔ!
جوشِ فریاد و شورِ ماتم کیا؟

کام آخر جذبۂ بے اختیار آ ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا انکو پیار آ ہی گیا

جب نگاہیں اُٹھ گئیں اللہ ری معراجِ شوق
دیکھتا کیا ہوں وہ جانِ انتظار آ ہی گیا

ہائے یہ حسنِ تصور کا فریبِ رنگ و بو
میں یہ سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آ ہی گیا

ہاں سزا دے اے خدائے عشق اے توفیقِ غم
پھر زبانِ بے ادب پر ذکرِ یار آ ہی گیا

اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدۂ فردا پہ میں
درحقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آ ہی گیا

ہائے کافر دل کی یہ کافر جنوں انگیزیاں
تم کو پیار آئے نہ آئے مجھ کو پیار آ ہی گیا

درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے
دفعتاً پردہ اٹھا اور پردہ[1] دار آ ہی گیا

دل نے اک نالہ کیا آج اس طرح دیوانہ وار
بال بکھرائے کوئی مستانہ[2] وار آ ہی گیا

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا
دل مرا ڈوبا کیا، اُچھلا کیا

حسن سے بھی، دل کو بے پروا کیا
کیا کیا اے عشق تو نے کیا کیا

تونے صورت نہ رنگ سے پردا کیا
دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا

وہ بھی نکلی اک شعاعِ برقِ حسن
میں جسے اپنی نظر سمجھا کیا

لذتِ ناکامیابی الاماں
تو نے ہر امروز کو فردا کیا

اب نظر کو بھی نہیں دم بھر قرار
اُس نے بھی اندازِ دل پیدا کیا

---

[1] [2] اہلِ فارس ان معنوں میں استعمال نہیں کرتے لیکن میرا ذوق اسے جائز قرار دیتا ہے (جگر)

اُنکے جاتے ہی یہ حیرت چھاگئی — جس طرف دیکھا کیا، دیکھا کیا

مجھ سے قائم ہیں جنوں کی عظمتیں
میں نے صحرا کو جگرؔ صحرا کیا

دل نے سینے میں تڑپ کر انھیں جب یاد کیا — در و دیوار کو آمادۂ فریاد کیا
وصل نے شاد کیا ہجر نے ناشاد کیا — اُس نے جس طرح سے چاہا مجھے برباد کیا
تم مرے رونے پہ روئے ستم ایجاد کیا — عشق کی روح کو آمادۂ فریاد کیا
صبر دو دن نہ ہوا، روئے بہت یاد کیا — اب نہ کہنا یہ زباں سے کہ تجھے آزاد کیا
لاکھ جانیں ہوں، تو پھر اُن پہ تصدق کر دوں — وہ یہ فرمائیں کہ ہم نے اُسے برباد کیا
کیا طریقہ ہے یہ صیّاد کا اللہ اللہ — ایک کو قید کیا ایک کو آزاد کیا
ہم کو دیکھا! او غمِ فرقت کے سنہنے والے — اِن بُرے حال میں بھی ہم نے تجھے یاد کیا
اور کیا چاہیے سرمایۂ تسکیں اے دوست — اک نظر دل کی طرف دیکھ لیا شاد کیا
شرحِ نیرنگیٔ اسباب کہاں تک کیجیے — مختصر یہ کہ ہمیں آپ نے برباد کیا
پردۂ شوق سے، اک برق تڑپ کر نکلی — یاد کرنے کی طرح سے، انھیں جب یاد کیا
مہرباں ہم پہ رہی چشمِ سخن گو اُن کی — جب ملی آنکھ لگا ہو کہ کچھ ارشاد کیا
دل کا کیا حال کہوں جوشِ جنوں کے ہاتھو — اک گھروندا سا، بنایا، کبھی برباد کیا
اب سے پہلے تو نہ تھا ذوقِ محبت رسوا — شاید اُن مست نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا
عشق کیوں سوگ مناتا، یہ خوشی کیا کم ہے — دل یہ جس کا تھا اُسی نے اُسے برباد کیا

بد دعا تھی، کہ دعا کچھ نہیں کھلتا لیکن — مچھکے چھلکے، لبِ نازک سے کچھ ارشاد کیا
جرمِ مجبوری، بے تاب، الٰہی توبہ — یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ تجھے یاد کیا

موت اک دامِ گرفتاریٔ تازہ ہے جگر
یہ نہ سمجھو، کہ غمِ عشق نے آزاد کیا

اُس کی نظروں میں انتخاب ہوا — دل عجب، حسن سے خراب ہوا
عشق کا سحر کامیاب ہوا — میں ترا، تو مرا جواب ہوا
ہر نفس موجِ اضطراب ہوا — زندگی کیا ہوئی عذاب ہوا
جذبۂ شوق کامیاب ہوا — آج مجھ سے انھیں حجاب ہوا
میں بنوں کس لئے نہ مستِ شراب — کیوں مجسّم کوئی شباب ہوا
نگہِ ناز! لے خبر، ورنہ — دردِ محبوب اضطراب ہوا
میری بربادیاں درست مگر — تو بتا کیا تجھے ثواب ہوا
عین قربت بھی، عین فرقت بھی — ہائے وہ قطرہ، جو حباب ہوا
مستیاں ہر طرف ہیں آوارہ — کون غارت گرِ شراب ہوا
دل کو چھونا، نہ اے نسیمِ کرم — اب یہ دل، رو کشِ حباب ہوا
عشق بے امتیاز کے ہاتھوں — حسن، خود بھی شکست یاب ہوا
جب وہ آئے تو بیشتر سب سے — میری آنکھوں کو اذنِ خواب ہوا
دل کی ہر چیز جگمگا اٹھی — آج شاید وہ بے نقاب ہوا

دورِ ہنگامۂ نشاط نہ پوچھ   اب وہ سب کچھ خیالِ خواب ہوا
تو نے جس اشک پر نظر ڈالی   جوش کھا کر وہی شراب ہوا

ستمِ خاصِ یار ہی کی قسم
کرمِ یار، بے حساب ہوا

عرضِ نیازِ غم کو، لب آشنا نہ کرنا   یہ بھی اک التجا ہے، کچھ التجا نہ کرنا
جب یاد آ گیا ہے، پہروں رُلا گیا ہے   دل کا وہ مجھ سے کہنا، مجھ کو جدا نہ کرنا
میں خوگرِ ستم ہوں، پروردۂ الم ہوں   جور و جفا کے مالک! مہر و وفا نہ کرنا
دل جب ہی مر مٹا ہے، کچھ اور ہی فضا ہے   میری یہ التجا ہے، تم سامنا نہ کرنا
کوئی سمجھ سکے تو کمبخت دل ہی سمجھے   دل میں بھی اس کے رہنا پھر دل میں جا نہ کرنا
دل ہی خطا ہوئی تھی اب دل ہے اور میں ہوں   نازک معاملہ ہے تم فیصلا نہ کرنا
یہ رازِ عشق اے دل! ہے رازِ خاص اُن کا   وہ بھی جو تجھ سے پوچھیں تو اِعتنا نہ کرنا
یا رب! غمِ محبت! سب بخش دے مجھی کو   میرے سوا کسی کو اب مبتلا نہ کرنا
جتنی ضدیں ہیں اے دل! تو شوق سے کیے جا   مجھ کو بھی تا قیامت، تیرا کہا نہ کرنا

تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا ہی ہے
اپنے جگر کو اپنے دل سے جدا نہ کرنا

میرا جو حال ہو سو ہو، برقِ نظر گرائے جا   میں یونہی نالہ کش رہوں تو یونہی مسکرائے جا
دل کے ہر ایک گوشہ میں آگ سی اک لگائے جا   مطربِ آتشیں نوا ہاں اسی دھن میں گائے جا

لحظہ بلحظہ، دم بدم، جلوہ بہ جلوہ آئے جا — تشنۂ حسنِ ذات ہوں تشنہ لبی بڑھائے جا

جتنی بھی آج پی سکوں عذر نہ کر پلائے جا — مست نظر کا واسطہ، مستِ نظر بنائے جا

لطف سہی ہو کہ قہر سہی ہوگا کبھی تو زور پر — اس کا جہاں پتہ چلے، شور وہیں مچائے جا

عشق کو مطمئن نہ رکھ، حسن کے اعتماد پر

کیا کر گیا اک جلوۂ مستانہ کسی کا — رکتا نہیں زنجیر سے دیوانہ کسی کا

کہتا ہے سر حشر یہ دیوانہ کسی کا — جنت سے الگ چاہیئے ویرانہ کسی کا

آپس میں الجھتے ہیں عبث شیخ و برہمن — کعبہ نہ کسی کا ہے، نہ بتخانہ کسی کا

جس کی نگہِ سادہ کے ہم مارے ہوئے ہیں — وہ شوخ یگانہ ہے نہ بیگانہ کسی کا

بیساختہ آج اُن کے بھی آنسو نکل آئے — دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا

ہر دل میں غمِ عشق ہے، اقرار در اقرار — ہر لب پہ ہے افسانہ در افسانہ کسی کا

یوں عام نہ کر کیفِ غمِ عشق کو اے دل — کمبخت! یہ میخانہ ہے میخانہ کسی کا

اُس کو بھی جگر! دیکھ لیا خاک میں ملتے
وہ اشک جو تھا گوہرِ یکدانہ کسی کا

جو اب بھی نہ تکلیف فرمائیے گا — تو بس، ہاتھ ملتے ہی رہ جائیے گا

نگاہوں سے چھپ کر کہاں جائیے گا — جہاں جائیے گا، ہمیں پائیے گا

مرا جب برا حال سن پائیے گا — خراماں، خراماں، چلے آئیے گا

مٹا کر ہمیں آپ پچھتائیے گا — کمی کوئی، محسوس فرمائیے گا

نہیں کھل ناصح! جنوں کی حقیقت — سمجھ لیجیئے گا تو سمجھایئے گا
ہمیں بھی یہ اب دیکھنا ہے کہ ہم پر — کہاں تک توجہ نہ فرمایئے گا
ستم عشق میں آپ آساں نہ سمجھیں — تڑپ جایئے گا، جو تڑپایئے گا
یہ دل ہے، اسے دل ہی بس رہنے دیجئے — کرم کیجئے گا، تو پچھتایئے گا
کہیں چپ رہی ہے زبانِ محبت — نہ فرمایئے گا، تو فرمایئے گا
بھلانا ہمارا، مبارک، مبارک — مگر شرط یہ ہے، نہ یاد آیئے گا
ہمیں بھی نہ اب چین آئیگا جبتک — اِن آنکھوں میں آنسو نہ بھر لایئے گا
ترا جذبۂ شوق ہے بے حقیقت — ذرا پھر تو ارشاد فرمایئے گا
ہمیں جب نہ ہوں گے تو کیا رنگِ محفل — کسے دیکھ کر آپ شرمایئے گا
یہ مانا کہ دے کر ہمیں رنجِ فرقت — مداوائے فرقت نہ فرمایئے گا
محبت محبت ہی رہتی ہے لیکن — کہاں تک طبیعت کو بہلایئے گا
نہ ہوگا ہمارا ہی آغوش خالی — کچھ اپنا بھی پہلو تہی پایئے گا

جنوں کی جگر! کوئی حد بھی ہے آخر
کہاں تک کسی پر ستم ڈھایئے گا

نظر ملا کے، مرے پاس آ کے، لوٹ لیا — نظر ہٹی تھی، کہ پھر مسکرا کے، لوٹ لیا
شکست حسن کا جلوہ دکھا کے لوٹ لیا — نگاہ نیچی کیے، سر جھکا کے، لوٹ لیا
دہائی ہے، مرے اللہ کی دہائی ہے — کسی نے مجھ سے بھی مجھ کو چھپا کے لوٹ لیا

سلام اُس پہ کہ جس نے اُٹھا کے پردۂ دل — مجھی میں رہ کے، مجھی میں سما کے لوٹ لیا

انہیں کے دل سے کوئی اس کی عظمتیں پوچھے — وہ ایک دل جسے سب کچھ لٹا کے لوٹ لیا

یہاں تو خود تری ہستی ہے عشق کو درکار — وہ اور ہوں گے جنہیں مسکرا کے لوٹ لیا

خوشا وہ جان جسے دی گئی امانتِ عشق — رہے وہ دل جسے اپنا بنا کے لوٹ لیا

بڑے وہ آئے، دل و جاں کے لوٹنے والے — نظر سے چھیڑ دیا، گدگدا کے لوٹ لیا

نگاہ ڈال دی جس پر حسین آنکھوں نے — اُسے بھی حسنِ مجسم بنا کے لوٹ لیا

رہا خراب محبت ہی وہ جسے تو نے — خود اپنا دردِ محبت دکھا کے لوٹ لیا

کوئی یہ لوٹ تو دیکھے کہ اُس نے جب چاہا — تمام ہستیٔ دل کو جگا کے لوٹ لیا

کرشمہ سازیٔ حسنِ ازل، ارے توبہ — مرا ہی آئینہ مجھ کو دکھا کے لوٹ لیا

نہ لٹتے ہم، مگر اُن مست انکھڑیوں نے جگرؔ
نظر بچاتے ہوئے، ڈبڈبا کے لوٹ لیا

نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے، لوٹ لیا — ادائے عشق کو رسمِ وفا نے لوٹ لیا

نگاہِ لطف کی اِک اِک ادا نے، لوٹ لیا — وفا کے بھیس میں اُس بیوفا نے لوٹ لیا

نہ پوچھ شومیٔ تقدیرِ خانہ بربادی — جمالِ یار کہاں؟ نقشِ پا نے لوٹ لیا

کسی بہارِ مجسم کا آہ کیا شکوہ — مرے ہی اس دلِ رنگیں قبا نے لوٹ لیا

قسم ہے تیری پشیماں نگاہیوں کی قسم — مجھی کو خود مری شرمِ وفا نے لوٹ لیا

وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن، کہ انہیں — شکستِ شیشۂ دل کی صدا نے لوٹ لیا

قریبِ دل ہی یکایک اُٹھے تھے کچھ فتنے / یہیں کہیں کسی محشر ادا نے لوٹ لیا
وہ ایک قطرۂ خوں بچ رہا تھا جو دل میں / اُسے بھی گوشۂ چشمِ حیا نے لوٹ لیا
وہی ہے لَے، وہی انداز ہے، وہی آواز / مجھے تو اس دلِ آفت نوا نے لوٹ لیا
یہی وہ حضرتِ دل ہیں، یہی وہ ہیں جنھیں / جنابِ عشق کی اک ''مرحبا'' نے لوٹ لیا
دلِ تباہ کی روداد، اور کیا کہیے / خود اپنے شہر کو فرمانروا نے لوٹ لیا
زباں خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق / تجھے بھی کیا تری کافر ادا نے لوٹ لیا

نہ اب خودی کا پتہ ہے، نہ بیخودی کا جگرؔ!
ہر ایک لطف کو، لطفِ خدا نے لوٹ لیا

اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس / درد ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا
عشق جب تک نہ کر چکے رسوا / آدمی کام کا نہیں ہوتا
ٹوٹ پڑتا ہے دفعتاً جو عشق / بیشتر دیرپا نہیں ہوتا
وہ بھی ہوتا ہے ایک وقت کہ جب / ماسوا ماسوا نہیں ہوتا
ہائے کیا ہو گیا طبیعت کو / غم بھی راحت فزا نہیں ہوتا
دلِ ہمارا ہے، یا تمہارا ہے / ہم سے یہ فیصلا نہیں ہوتا
جس پہ تیری نظر نہیں ہوتی / اُس کی جانب خدا نہیں ہوتا
میں، کہ بیزار عمر بھر کے لئے / دل، کہ دم بھر جدا نہیں ہوتا
وہ ہمارے قریب ہوتے ہیں / جب ہمارا پتا نہیں ہوتا

دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے   جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

ہو کے اک بار سامنا اُن سے
پھر کبھی سامنا نہیں ہوتا

شباب حسن کا حسنِ شباب دیکھ لیا   اچھال اچھال کے، جامِ شراب دیکھ لیا
کہاں تک اب تری باتوں پہ اعتماد کریں   بہت تو اے دلِ خانہ خراب دیکھ لیا
جو ہم نہیں، نہ سہی کامیابِ غم، غمِ یار   تجھے تو اپنی جگہ کامیاب دیکھ لیا
کہیں نہ ہم، تو یہی اپنی مصلحت، ورنہ   ہزار بار تجھے بے نقاب دیکھ لیا
یہی بہت ہے کہ اُس نے خود اپنی آنکھوں سے   خرابِ عشق کو اپنے خراب دیکھ لیا

غمِ نشاط و سرورِ الم، نہ پوچھ جگر
کبھی جب اُس نے بہ چشمِ پُر آب دیکھ لیا

ہر دم دعائیں دینا، ہر لحظہ آہیں بھرنا   اُن کا بھی کام کرنا، اپنا بھی کام کرنا
ہاں کس کو ہے میسر، یہ کام کر گزرنا   اک بانکپن سے جینا، اک بانکپن سے مرنا
جو زیست کو نہ سمجھیں، جو موت کو نہ جانیں   جینا انہیں کا جینا، مرنا انہیں کا مرنا
تیری عنایتوں سے مجھ کو بھی آ چلا ہے   تیری حمایتوں میں ہر ہر قدم گزرنا
ساحل کے لب سے پوچھو، دریا کے دل سے پوچھو   اک موج تہ نشیں کا مدت کے بعد اُبھرنا
اے شوق! تیرے صدقے پہنچا دیا کہاں تک   اے عشق تیرے قرباں جینا ہی اب نہ مرنا
ہر ذرہ آہ جس کا لبریزِ تشنگی ہے   اُس خاک کی بھی جانب اے ابرِ تر گذرنا

دریا کی زندگی پر صدقے ہزار جانیں
مجھکو نہیں گوارا ساحل کی موت مرنا

رنگینیاں نہیں، تو رعنائیاں بھی کیسی!
شبنم سی نازنیں کو آتا نہیں سنورنا

اشکوں کو بھی یہ جرات، اللہ ری تیری قدرت
آنکھوں تک آتے آتے پھر دل میں جا ٹھہرنا

اے جانِ ناز آجا آنکھوں کی راہ دل میں
ان خشک ندیوں سے مشکل ہی کیا گزرنا

ہم بیخودانِ غم ہے، یہ راز کوئی سیکھے
جینا، مگر نہ جینا، مرنا مگر نہ مرنا

کچھ آ چلی ہے آہٹ اس پائے ناز کی سی
تجھ پر خدا کی رحمت، اے دل ذرا ٹھہرنا

خونِ جگر کا حاصل اک شعرِ تر کی صورت
اپنا ہی عکس جس میں، اپنا ہی رنگ بھرنا

شمشیرِ حسن و عشق کا بسمل بنا دیا
تم نے تو مجھ کو پیار کے قابل بنا دیا

ہر جنبشِ نگاہ پہ مائل بنا دیا
میرا ہی مجھ کو مدِ مقابل بنا دیا

آج اک حسیں نے رشک کے قابل بنا دیا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بیدل بنا دیا

قاتل نگاہِ ناز نے بسمل بنا دیا
بسمل بنا کے پھر مجھے قاتل بنا دیا

نازک مزاج عشق کی اللہ ری خاطریں
اپنی نزاکتوں کو مرا دل بنا دیا

ان شاعرانِ دہر پہ ہو عشق ہی کی مار
اک پیکرِ جمیل کو قاتل بنا دیا

دکھلا کے ایک جلوہ سراپائے حسن کا
آنکھوں کو اعتبار کے قابل بنا دیا

دونوں جہاں تو اپنی جگہ پر ہیں برقرار
کیا چیز تھی کہ جس کو مرا دل بنا دیا

اس چشمِ مست نے مجھے مخمور کر دیا — میں نے نظر ملا کے اسے چور کر دیا

میں ان کا ہو گیا، انھیں مسرور کر دیا — وہ میرے بن گئے مجھے مغرور کر دیا

سرشار و مست، بیخود و مسحور کر دیا — خود ہو گئے قریب مجھے دور کر دیا

اک وہم اعتبار رہی دو جہاں مگر — اس اعتبارِ وہم نے مجبور کر دیا

ہشیار او نگاہِ ستم آشنائے دوست — شیشہ نہیں ہے دل کہ جسے چور کر دیا

وہ اور نازِ عشق گوارا کریں مگر — اتنے کھنچے ہم ان سے کہ مجبور کر دیا

اب حسن کو بھی آنچ ہے اس کی مفر نہیں — اتنا مزاجِ عشق کو محرور کر دیا

یہ عشق وہ بلا ہے کہ حسنِ ازل کو بھی — تخلیقِ کائنات پہ مجبور کر دیا

ان کو بھی نازِ فتح اگر ہو تو بات ہے — مجھ کو تو ہر شکست نے مغرور کر دیا

فیضِ جمالِ دوست کے قربان جائیے — اک اک نفس کو صاعقۂ طور کر دیا

مدت کے بعد آج تو موجِ نسیم نے — ٹوٹے ہوئے دلوں کو بھی مسرور کر دیا

حسنِ ازل تو آج بھی بے پردہ ہے مگر — نظارہ کے ہجوم نے مستور کر دیا

توبہ تو کر چکا تھا مگر اس کا کیا علاج
واعظ کی ضد نے پھر مجھے مجبور کر دیا

اب کہاں زمانے میں دوسرا جواب ان کا — فصلِ حسن ہے ابھی موسمِ شباب ان کا

اوج پر جمال ان کا جوش پر شباب ان کا — عہدِ ماہتاب ان کا دورِ آفتاب ان کا

عرضِ شوق پر میری پہلے کچھ عتاب انکا — خاص اک ادا کے ساتھ اف وہ پھر حجاب انکا

رنگ و بو کی دنیا میں اب کہاں جواب اُن کا
عشق فرشِ بزم اُن کا حسن فرشِ خواب اُن کا

ہم سے پوچھ اے ناصح دل گرفتگی اُن کی
ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالمِ پُرآب اُن کا

پھول مسکراتے ہیں دل پہ چوٹ پڑتی ہے
ہائے وہ رخِ خنداں اُف رے وہ شباب اُن کا

یوں ہی کھلتے جاتے ہیں حسن و عشق کے اسرار
ایک نفس سوال اپنا اک نفس جواب اُن کا

کیا اسی کو کہتے ہیں ربط و ضبطِ حسن و عشق
شوقِ نارسا اپنا، نازِ کامیاب اُن کا

اس طرح سے ہوں غارت ہائے عشق کی غفلت
جاں کہ ہے صدا اُن کی، دل کہ ہے رباب اُن کا

رنگ و بو کے پردے میں کون پھوٹ نکلا ہے
چھپ کے پھیلے سے کیا کہیں شباب اُن کا

ضبط کا خفیف دعویٰ عشق میں رہا اکثر
ہم نے حال دیکھا ہے بیشتر خراب اُن کا

اور کس کی یہ طاقت اور کس کی یہ جرأت
عشق آپ پردہ اپنی حسن خود حجاب اُن کا

کہیے حالِ دل لیکن دیکھیے کن آنکھوں سے
ہر سکوں کے پردے میں حشر اضطراب اُن کا

عشق ہی کے ہاتھوں میں کچھ سکت نہیں رہتی
ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشۂ نقاب اُن کا

جیسے حسن کی دیوی جھانکتی ہو چلمن سے
نیم وا سی آنکھوں میں اُف وہ کیفِ خواب اُن کا

عرضِ غم نہ کر اے دل دیکھ ہم نہ کہتے تھے
رہ گئے وہ "اونہہ" کر کے سن لیا جواب اُن کا

تو جگر جو رسوا ہے تو ہی آہ رسوا رہ
نام کو کر نہ رسوا خانماں خراب اُن کا

تو جگر ہے مستوجب طعن کر نہ اے واعظ
تو غریب کیا جانے مسلکِ شراب اُن کا

تم اس دلِ وحشی کی وفاؤں پہ نہ جانا
اپنا نہ رہا جو، وہ کسی کا نہ رہے گا

مٹ جائیگی جبیں نہ مرے سجدوں کی حقیقت — دنیا میں ترا نقشِ کفِ پا نہ رہے گا
بے پردگیٔ حسن سہی ہیں سب یہ حجابات — پردہ جو گرا دو گے، تو پردا نہ رہے گا
وہ لاکھ مٹاتے رہیں دنیائے تمنا — کہتے ہیں جسے دل، کبھی تنہا نہ رہے گا
مانا لبِ نازک کو وہ تکلیف نہ دیں گے — آنکھوں ہی میں کیا کوئی اشارا نہ رہے گا
اللہ، یہ ساون کی گھٹائیں، یہ ہوائیں — کیا آج بھی شغلِ مے و مینا نہ رہے گا
اس دل کو بنایا تو ہے شائستۂ حرماں — سنتے ہیں، انھیں یہ بھی گوارا نہ رہے گا

ب

ہاں نگاہِ شوق! وہ اُٹھی نقاب — آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
شوقِ بے پایاں و جوشِ بے حساب — عشق کیا ہے اک مسلسل اضطراب
دستِ رنگین و جمالِ بے حجاب — ہی، خوش آں وقتے و خوش جامِ شراب
لکھ چکے خط، جا چکا خط کا جواب — اضطراب و اضطراب و اضطراب
آج کچھ اپنا پتا ملتا نہیں — میں کہاں ہوں؟ او نگاہِ بازیاب
کچھ کہوں، تو کیا کہوں؟ کس سے کہوں — میں ہی خود اپنا سوال، اپنا جواب
میری ہستی ہے، غبارِ کوئے دوست — مجھ سے پیدا ہر سکوں ہر اضطراب
پوچھنا کیا؟ چشمِ بینا ہو تو دیکھ — دل کے ہر ذرّے میں ہیں لاکھ آفتاب
ہوش ہی پھر باطلِ فرزانگی — لا شراب و مستِ ساقی! لا شراب

میرے جام و بادہ کی رنگینیاں
جانتا ہے حسن کا ظالم شباب

غرق موج بادہ کر دے ساقیا
تا کجا میں؟ اور دنیائے خراب

جاں سراپا، کچھ ہے راحت کچھ خلش
دلِ مجسّم، کچھ سکوں، کچھ اضطراب

عشق کیا ہے؟ پرتوِ حُسنِ تمام
شوق کیا ہے؟ حُسن کا عکسِ شباب

اُن لبوں کی جاں نوازی دیکھنا
مُنھ سے بول اُٹھنے کو ہے جامِ شراب

مختصر ہے، شرحِ ہستی، اے جگر!
زندگی ہے خواب، اجل تعبیرِ خواب

د

میرا جنونِ شوق، وہ عرضِ وفا کے بعد
وہ شانِ احتیاط تری ہر ادا کے بعد

تیری خبر نہیں، مگر اتنی تو ہے خبر
تو ابتدا سے پہلے ہے، تو انتہا کے بعد

شاید اسی کا نام مقامِ فنا نہ ہو
نازک سا ہوتا جاتا ہے دل ہر صدا کے بعد

گو دل سے تنگ ہوں مگر آتا ہے یہ خیال
پھر جی کے کیا کروں گا دلِ مبتلا کے بعد

ہاں پھر انھیں حسین نگاہوں کا واسطہ
تھوڑا سا زہر بھی مری خاطر دوا کے بعد

۱

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں، مرا حق ہے فصلِ بہار پر

مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں
مری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت یہی چار پر

جنھیں کہیے عشق کی وسعتیں، جو ہیں خاص حسن کی عظمتیں
یہ اُسی کے قلب سے پوچھیے، جسے فخر ہو غمِ یار پر

مرے اشکِ خوں کی بہار ہے کہ مرقعِ غمِ یار ہے
مری شاعری بھی نثار ہے مری چشمِ سحر نگار پر

عجب انقلاب زمانہ ہے، مرا مختصر سا فسانہ ہے
یہی اب جو بار ہے دوش پر، یہی سر تھا زانوئے یار پر

یہ کمالِ عشق کی سازشیں، یہ جمالِ حسن کی نازشیں
یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، مری ایک مشتِ غبار پر

مری سمت سے اسے، اے صبا! یہ پیام آخرِ غم سنا
ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا، کہ خزاں ہے اپنی بہار پر

یہ فریبِ جلوہ ہے سر بسر، مجھے ڈر یہ ہے دلِ بے خبر!
کہیں جم نہ جائے تری نظر، انہیں چند نقش و نگار پر

میں رہینِ درد سہی، مگر مجھے اور چاہئے کیا؟ جگر
غمِ یار ہے مرا شیفتہ، میں فریفتہ غمِ یار پر

ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی، شعلۂ طور ہو کر

مجھی میں رہے مجھ سے مستور ہو کر
بہت پاس نکلے بہت دور ہو کر

بس اک نشۂ عشق میں چور ہو کر
پڑے رہئے اُس در پہ مجبور ہو کر

کہیں اُنکے روکے ہی رکتے ہیں وحشی
نہ مجبور کر دیں، جو مجبور ہو کر

وفا پر ہزار ایسی جانیں تصدق
اگر رہ نہ جائے یہ دستور ہو کر

تمھیں بھی خبر ہے؟ جو تم کہہ گئے ہو
خود اپنی اداؤں سے مسحور ہو کر

شبِ غم بھی تیری توجہ کے صدقے
نمایاں ہوئی، مطلعِ نور ہو کر

سنانے چلے ہیں انھیں قصۂ غم
بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر

سنبھل جائیں آسودگانِ محبت
نگاہیں اُٹھیں شورِ منصور ہو کر

نظر عیشِ فانی پہ کیا خاک ڈالیں
ترے دردمندانِ مہجور ہو کر

خبر بھی ہے؟ تم کیا سے کیا ہو گئے ہو
ز سر تا قدم حسن مجبور ہو کر

وہی نور میں ہے، وہی نار میں ہے
کبھی نار ہو کر، کبھی نور ہو کر

تجاہل، تغافل، تبسم، تکلم
یہاں تک تو پہنچے وہ مجبور ہو کر

ترے حسنِ مغرور سے نسبتیں ہیں — کہیں ہم نہ رہ جائیں مغرور ہو کر

جگر کی اداؤں کا اب پوچھنا کیا
تری مست نظروں سے مخمور ہو کر

نویدِ بخششِ عصیاں سے شرمسار نہ کر — گناہگار کو یارب! گناہگار نہ کر

نظر ملی ہے، تو اس کو بہار ساز بنا — نظر کو مائلِ رنگینیٔ بہار نہ کر

کہاں کی قربت، فرقت گزر بھی جائے دل — یہ راہِ عام ہے، تو اس کو اختیار نہ کر

بہار اپنی جگہ پر، سدا بہار رہے
یہ چاہتا ہے، تو تجزیۂ[1] بہار نہ کر

گ

عشق میں لاجواب ہیں ہم لوگ — ماہتاب، آفتاب ہیں ہم لوگ

گرچہ اہلِ شراب ہیں ہم لوگ — (قطعہ) یہ نہ سمجھو، خراب ہیں ہم لوگ

شام سے آ گئے جو پینے پر — صبح تک آفتاب ہیں ہم لوگ

ہم کو، دعوائے عشق بازی ہے — مستحقِ عذاب ہیں ہم لوگ

ناز کرتی ہے، خانہ ویرانی — ایسے خانہ خراب ہیں ہم لوگ

---

[1] اس لفظ کو یقیناً مشدد طریقہ پر کہنا درست نہیں۔ لیکن محض اس کتابتی غلطی کی خاطر اپنے لطیف شعر کو ضائع نہیں کر سکتا۔

ہم نہیں جانتے، خزاں کیا ہے   کشتگانِ شباب ہیں ہم لوگ

تو ہمارا جواب ہے تنہا   قطعہ   اور تیرا جواب ہیں ہم لوگ

تو ہے دریائے حسن و محبوبی   شکل و موج و حباب ہیں ہم لوگ

گو سراپا حجاب ہیں پھر بھی   تیرے رخ کی نقاب ہیں ہم لوگ

خوب ہم جانتے ہیں اپنی قدر   تیرے ناکامیاب ہیں ہم لوگ

ہم سے غفلت نہ ہو تو پھر کیا ہو   رہروِ ملکِ خواب ہیں ہم لوگ

جانتا بھی ہے اس کو تو واعظ   جس کے مست و خراب ہیں ہم لوگ

ہم پہ نازل ہوا صحیفۂ عشق   صاحبانِ کتاب ہیں ہم لوگ

ہر حقیقت سے جو گزر جائیں   وہ صداقت مآب ہیں ہم لوگ

جب ملی آنکھ، ہوش کھو بیٹھے   کتنے حاضر جواب ہیں ہم لوگ

ہم سے پوچھو جگر کی سرمستی
محرمِ آنجناب ہیں ہم لوگ

ل

تو بھی اے ناآشنائے دردِ دل   کاش ہوتا مبتلائے دردِ دل

اللہ اللہ انتہائے دردِ دل   اب کہیں تم ہو بجائے دردِ دل

اس نظر کی بے قراری آہ آہ   باش، او گستاخ ادائے دردِ دل

دردِ دل میرے لیے، گر ہے تو ہو — میں نہیں ہرگز برائے دردِ دل
ذرّہ ذرّہ ہے قیامت گاہِ عشق — صاف سنتا ہوں صدائے دردِ دل
جس طرف وہ شوخ نظریں اُٹھ گئیں — لے اُڑی موجِ ہوائے دردِ دل
مجھ سے شاید رہ نہ جائے کچھ کمی — آپ ہی دے لیں سزائے دردِ دل
کچھ تغافل، کچھ توجہ، کچھ غرور — دیکھنا شانِ عطائے دردِ دل

دردِ دل غیرت تری کیا ہو گئی
اُن لبوں پر، اور ہائے دردِ دل

م

حُسنِ معنی کی قسم، جلوۂ صورت کی قسم — تو ہی فردوس ہے، فردوسِ محبت کی قسم
حُسن کے معجزۂ وحدت و کثرت کی قسم — چشمِ حیرت میں ہے اب تک تجھے سرِ حیرت کی قسم
تجھ کو دیکھا، مگر اس طرح کہ دیکھا ہی نہیں — اپنی کم مائگی جرأت و ہمت کی قسم
مجھ سے ہی کچھ دل نے کہا تھا ابھی ہیچ ہو کہ نہ ہو — حسن کافرا! تری معصوم شرارت کی قسم
ظلم کیا؟ اب تو کرم بھی ہے گوارا مجھ کو — تیری اس اشک بھری چشمِ ندامت کی قسم
اک نظر دیکھ تو لے، پھول کھلے ہیں کیا کیا — ناوکِ غم کی قسم، سینۂ حسرت کی قسم
دل کی دنیا پہ ہے اک اور ہی عالم طاری — نگہِ ناز کے اقرارِ محبت کی قسم
تو بھی اب سامنے آئے تو لٹا دوں تجھ پہ — تیری غیرت کی قسم، اپنی حمیت کی قسم

مجھ سے چھپنا تجھے زیبا نہیں اے پیکرِ حسن! — میں محبت ہی محبت ہوں محبت کی قسم
نگہِ حسن ہی سے حسن کو ہم دیکھتے ہیں — مذہبِ عشق کی پاکیزہ شریعت کی قسم
تیرا احسان مٹاتا ہے، مٹا دے مجھ کو — کون کھائے گا تری چشمِ مروت کی قسم
اک ترے واسطے خود عشق ہے جنت بکنار — شبنمِ اشک و گلِ داغِ محبت کی قسم
اب ترے حسن کے جلوے نہیں روکے رکتے — نگہِ شوق کی بیتابِ طبیعت کی قسم
صبحِ عشرت بھی جو اب آئے تو دیکھوں نہ اسے — اپنی محبوبہ شامِ شبِ فرقت کی قسم
اب تجھے میری محبت کا یقیں ہو کہ نہ ہو — میں نہ کھاؤں گا ترے دردِ محبت کی قسم
تو بھی اب وہ نہیں جو خود کو نظر آتا ہے — سینۂ عشق کی پوشیدہ امانت کی قسم
نگہِ ناز میں سب کچھ تو ہے یہ بات کہاں — خلشِ دردا ترے حسن نزاکت کی قسم
اب تجھے دیکھ کے مرنا بھی گوارا ہے مجھے — غمِ عشرت کی قسم، اشکِ مسرت کی قسم
تیرے ہمراہ ہیں جان و دل ایماں سب کچھ — تیری آنکھوں کے پیامِ دمِ رخصت کی قسم
اب بھی ہیں تیرے تصور سے وہی راز و نیاز — اپنے اجڑے ہوئے آغوشِ محبت کی قسم

خلوتِ خاص کو اک دن تو بنا دے جلوت
تجھ کو اپنے **جگر** شوخ طبیعت کی قسم

ن

اب اُن کا کیا بھروسہ وہ آئیں یا نہ آئیں — آ اے غمِ محبت تجھ کو گلے لگائیں

بیٹھا ہوں مست و بیخود، خاموش ہیں فضائیں
کانوں میں آ رہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں

سب اُن پہ ہیں تصدق، وہ سامنے تو آئیں
اشکوں کی آرزو میں آنکھوں کی التجائیں

عشاق پا رہے ہیں ہر جرم پر سزائیں
انعام بٹ رہے ہیں، مغرور ہیں خطائیں

اُس سے بھی شوخ تر ہیں اُس شوخ کی ادائیں
کر جائیں کام اپنا لیکن نظر نہ آئیں

مسجد میں معتکف ہیں بیکار ہی تو زاہد
دو روزہ زندگی ہے آ میں تمہیں پلائیں

اس حسنِ برق وش کے دل سوختہ وہی ہیں
شعلوں سے بھی جو کھیلیں دامن کو بھی بچائیں

عاشق خرابِ مستی، زاہد خرابِ تمکیں
وہ بھی ترے کرشمے، یہ بھی تری ادائیں

جیسا وہ چاہتے ہیں جو کچھ وہ چاہتے ہیں
آتی ہیں میرے دل سے لب تک وہی دعائیں

اک جامِ آخری تو پینا ہے اور ساقی
اب دستِ شوق کانپے یا پاؤں لڑکھڑائیں

اب ہاتھ مل رہے ہیں وہ خاکِ عاشقاں کو
برباد کر چکے جب اپنی ہی کچھ ادائیں

آلودہ خاک ہی تو رہنے دے اُس کو ناصح
دامن اگر جھٹک دوں جلوے کہاں سمائیں

بیتابیٔ محبت، وجہِ سکونِ غم ہے
آغوشِ مضطرب میں خوابیدہ ہیں بلائیں

اشعار بن کے نکلیں جو سینۂ جگر سے
سب حسنِ یار کی تھیں، بے ساختہ ادائیں

کدھر ہے تیرا خیال؟ اے دل! یہ وہم کیا کیا سما رہے ہیں
نظر اُٹھا کر تو دیکھ، ظالم! کھڑے وہ کیا مسکرا رہے ہیں
تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں وہ جیسے خود ہی بنا رہے ہیں

نظر نظر میں سما چکے ہیں، نفس نفس میں سما رہے ہیں
کرشمے، ذات و صفات کے ہیں، جمال قدرت دکھا رہے ہیں
کہ ہر تصور سے دور رہ کر، وہ ہر تصور میں آ رہے ہیں
کہاں کی دید اور کس کا عرفاں حواس گم ہیں نظر پریشاں کہ
جو ایک پردہ اٹھا رہے ہیں تو لاکھ پردے گرا رہے ہیں
یہ حادثات زمانہ کیا ہیں؟ اسی کے حسنِ طلب کے جلوے
دلوں کو ٹھوکر لگا لگا کر، دلوں کی دنیا جگا رہے ہیں
کرشمے ہیں حسن بے جہت کے فسوں ہیں چشم مناسبت کے
اِدھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں اُدھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں
نفس نفس میں، صفات تازہ، ممات تازہ، حیات تازہ
اُنھیں میسر ہے ذات تازہ، جو خود کو تجھ میں مٹا رہے ہیں

قطعہ

ہماری ہستی، تمام آفت، تمام زحمت، تمام کلفت
اگر یہ سچ ہی تو فی الحقیقت ہمیں خود انکو ستا رہے ہیں
ہوا کچھ ایسی ہی چل گئی ہے دلوں کی دنیا بدل گئی ہے
وہ ہم کو مطلوب کہہ رہے ہیں ہم انکو طالب بنا رہے ہیں
ذرا سا اِک وقفۂ محبت، اٹھا گیا اور ہی قیامت

ابھی ہم آنسو بہا رہے تھے، ابھی وہ آنسو بہا رہے ہیں
خوشا یہ پندارِ عشق اپنا، زہے شکستِ غرورِ اُن کی
وہ ہم سے نظریں ملا رہے ہیں، ہم اُن سے نظریں ہٹا رہے ہیں
نظر نظر، التجائے پیہم، ادا ادا شکوۂ مجسم
ذرا جو بن کر بگڑ رہے ہیں ہمیں وہ کیا کیا منا رہے ہیں
گلوں سے مستی چھلک رہی ہے، سراپا بلبل پٹک رہی ہے
جگر کسی گوشۂ چمن میں، غزل کوئی اپنی گا رہے ہیں

کرم کوشیاں ہیں ستم کاریاں ہیں — بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں
چمن سوز گلشن کی گلکاریاں ہیں — یہ کس سوختہ دل کی چنگاریاں ہیں
نہ ہوشیاں اب نہ ہشیاریاں ہیں — محبت کی تنہا فسوں کاریاں ہیں
نہ وہ مستیاں ہیں نہ سرشاریاں ہیں — خودی کا ہی احساس خودداریاں ہیں
محبت اثر کرتی ہے، چپکے چپکے — محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں
نگاہِ تجسس نے دیکھا جہاں تک — پرستاریاں ہی پرستاریاں ہیں
تجلی سے کہہ دو ذرا ہاتھ روکے — بہت عام اب دل کی بیماریاں ہیں
نہ آزاد دل ہیں، نہ بے قید نظریں — گرفتاریاں ہی گرفتاریاں ہیں
نہ ذوقِ تخیل نہ ذوقِ تماشا — محبت ہے اب اور بیزاریاں ہیں

تغافل ہی اک شانِ محبوبیت لیکن تغافل میں پنہاں خبرداریاں ہیں
کہاں ہیں؟ کہاں تازہ اشعار رنگیں تری اک توجہ کی گلکاریاں ہیں
ازل سے ہے صرفِ دعا ذرہ ذرہ خدا جانے کیا کچھ طلبگاریاں ہیں
کچھے جا رہے ہیں سبھی دیدہ و دل تری آمد آمد کی تیاریاں ہیں
قدم ڈگمگائے، نظر بہکی بہکی جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں
جگر! زندگی لطف سے کٹ رہی ہے غم آزاریاں ہیں جنوں کاریاں ہیں

کہاں پھر یہ ہستی؟ کہاں ایسی ہستی؟
جگر کی جگر تک ہی میخواریاں ہیں!

خطاؤں سے پہلے پشیمانیاں ہیں محبت کی معصوم نادانیاں ہیں
قیامت تری جلوہ سامانیاں ہیں جدھر دیکھتا ہوں پریشانیاں ہیں
دل و جانِ حسرت ہیں قربانیاں ہیں خوشا وہ کہ جس کی یہ جہانیاں ہیں
مسلسل غمِ دل کی عریانیاں ہیں نگاہیں نہیں ہیں پریشانیاں ہیں
سناکر غم و در دیکھتا رہا ہوں پشیمانیوں کی پشیمانیاں ہیں
ازل سے جو دل کے مقدر رہی تھیں وہی آج تک شعلہ سامانیاں ہیں
دلوں پر حکومت نگاہوں سے پردے جہانبانیاں ہیں ستم رانیاں ہیں
تجسس میں شامل تحیر میں پنہاں نظر سوزیاں ہیں نگہبانیاں ہیں
وہ دشواریاں عشق کی حل ہو کیونکر جو دشواریاں بن گئیں آسانیاں ہیں

محبت کے جلوے نہیں حسن سے کم — اِنہیں بھی مرے ساتھ حیرانیاں ہیں
ترے جلوۂ جزو وکل کے تصدق — نہ اب حسرتیں ہیں نہ حیرانیاں ہیں
غضب میں پھنسی ہیں مرا ساتھ دیکر — پریشانیوں کو پریشانیاں ہیں

وہ بتکدہ اور سجدوں پہ سجدے
جگر! واہ کیا کفر سامانیاں ہیں

نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں — ہم اُن میں اور وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں
شروع راہِ محبت، ارے معاذ اللہ — یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں
یہ نازِ حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر — نظر ملاتے نہیں مسکرائے جاتے ہیں
مرے جنونِ تمنا کا کچھ خیال نہیں — لجائے جاتے ہیں، دامن چھڑائے جاتے ہیں
جو دل ہی اُٹھتے ہیں شعلے وہ رنگ بن بن کر — تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں
میں اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ میں بھی — تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہیں
رواں رواں لیے جاتی ہے آرزوئے وصال — کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں
کہاں منازلِ ہستی؟ کہاں ہم اہلِ فنا — ابھی کچھ اور یہ تہمت اُٹھائے جاتے ہیں
مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے — قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں
الٰہی ترکِ محبت بھی کیا محبت ہے — بھلاتے ہیں انھیں وہ یاد آئے جاتے ہیں

سنائے تھے لبِ نے سے کسی نے جو نغمے
لبِ جگر سے مکرر سنائے جاتے ہیں

نیازِ عاشقی کو ناز کے قابل سمجھتے ہیں — ہم اپنے دل کو بھی آپ ہی کا دل سمجھتے ہیں

عدم کی راہ میں رکھا ہی پہلا قدم میں نے — مگر احباب اس کو آخری منزل سمجھتے ہیں

قریب آ کے منزل تک پلٹ جاتی ہیں منزل سے — وہ جانے دل میں کیا آوارۂ منزل سمجھتے ہیں

الٰہی ایک دل ہے، تو ہی اس کا فیصلہ کر دے

وہ اپنا دل بتاتے ہیں، ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

کیا غرض مجھکو، ترے دل پہ اثر ہے کہ نہیں — میں پرستارِ محبت ہوں، خبر ہے کہ نہیں

نہیں معلوم، محبت میں اثر ہے کہ نہیں — جو اِدھر ہے مری حالت وہ اُدھر ہے کہ نہیں

میں نہ کھاؤں گا کبھی حسنِ تغافل کے فریب — میری جانب تری در پردہ نظر ہے کہ نہیں

اب یہ عالم ہے، کہ جو ہجر کی شب آتی ہے — میں یہ کہتا ہوں کہ اس شب کی سحر ہے کہ نہیں

پوچھ مجھ سے، نہ مرے زخمِ جگر کی حالت — میرے دامن میں ہر آنسو گلِ تر ہے کہ نہیں

تو ہی کہہ دے کہ جنوں مجھ کو نہ کیونکر ہو عزیز — اس کو حاصل تری تائیدِ نظر ہے کہ نہیں

وصل کہتے ہیں جسے، اس کی حقیقت معلوم — ورنہ اک سلسلۂ شام و سحر ہے کہ نہیں

اک نظر دیکھ تو لے، دل کے مٹانے والے — ابھی اس خاک میں طوفانِ شرر ہے کہ نہیں

پوچھتا پھرتا ہوں اک ایک سے اس کو جسے میں — جس کا دیوانہ ہوں اس کو بھی خبر ہے کہ نہیں

اور درکار ہے کیا؟ تیری توجہ کے لیے — آہ ظالم مری، محرومِ اثر ہے کہ نہیں

عشق بے جذبہ ہوئے رہ نہیں سکتا ہرگز تو — تیری ہر شان میں اک شانِ جگر ہے کہ نہیں

لے اٹھا جاتا ہوں میں چھوڑ کے در اپنا — پھر نہ کہنا، مرا دیوانہ جگر ہے کہ نہیں

ترے بیان میں قاصد کچھ اشتباہ نہیں — خبر ایں قدر کہ یہ فرمودۂ نگاہ نہیں
نہو جو حسن کی ہم پر کوئی نگاہ نہیں — ہم اہلِ عشق ہیں پابندِ رسم و راہ نہیں
خود اپنے حسن کی تاثیر کو وہ کیا جانے — تری نگاہ ہے ظالم مری نگاہ نہیں
جفائے حسن کا صدقہ سزائے حسن کی خیر — گناہِ عشق سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں
ہزار چشمِ عنایت ہو پھر بھی کیا حاصل — وہ ایک شے بھی اگر شاملِ نگاہ نہیں

انہیں بھی دست بدل بقرار دیکھ لیا
سنا تھا عشق کی آنکھیں تو ہیں نگاہ نہیں

دل حریفِ حالِ وسیع عالی نہیں — اس چمن کا اب کوئی مالی نہیں
دیکھنا دل سے سلوکِ چشمِ یار — شیشہ خالی ہے اگر خالی نہیں
بالیا، مبارک شغل ہے زاہد اگر — کچھ نہیں گر ہمتِ عالی نہیں
اللہ اللہ تیرے غم کی وسعتیں — کوئی عالم درد سے خالی نہیں
اس طرف بھی دیکھ، او محشر خرام — گھر مری دنیا ہے پامالی نہیں
عشق رنگا حسن سے ہے نیاز — حسن کیفِ عشق سے خالی نہیں
حسن ہے اس طرح سرگرم خرام — عشق کو احساسِ پامالی نہیں

شوق بھی دل میں ہے ہمراہ دوست
اب تو اتنی بھی جگہ خالی نہیں

لفظ و معنی سے نہیں ہے یہ وہ تصور میں نہیں — عشق اک چیز ہے جو حرف و حکایت میں نہیں

وہ حقیقت کہ جو محدود حقیقت میں نہیں
دل کی وسعت ہے کونین کی وسعت میں نہیں

غم میسر ہے ترا غم پہ نہ کیوں ناز کروں
یہ بھی کیا تو ہے کہ جو عشق کی قسمت میں نہیں

وہ جو اک ربط محبت ہے مٹانا اس کا
میری طاقت میں نہیں آپ کی قدرت میں نہیں

جلوہ پھر جلوہ ہے نظارہ ہے پھر نظارہ
حیرت آئینے میں ہے آئینہ حیرت میں نہیں

یوں بھی تکمیل غم عشق ہوا کرتی ہے
اس کی قسمت میں ہے ہاں جو مری قسمت میں نہیں

ہر نفس میں ہے یہاں جلوۂ نو کا عالم
غم فرقت بھی مرا اب غم فرقت میں نہیں

غم عاشقی کا صلہ چاہتا ہوں
خود اپنی نظر سے گرا چاہتا ہوں

بلا پر ترے دل بلا چاہتا ہوں
سزاوار غم ہوں سزا چاہتا ہوں

محبت بغیر وفا چاہتا ہوں
بڑا نا سمجھ ہوں یہ کیا چاہتا ہوں

جنون محبت یہاں تک تو پہنچا
کہ ترک محبت کیا چاہتا ہوں

وہ یوں پرسش شوق فرما رہے ہیں
کوئی خود یہ کہہ دے سزا چاہتا ہوں

تبسم تمنا سمجھ میں نہ آیا
کوئی مجھ کو سمجھائے کیا چاہتا ہوں

ظہور دو عالم، اک اعجاز حسن کا
اسی نقش پا پر مٹا چاہتا ہوں

کہاں تک ہیں یہ رنگ و بو کی بہاریں
تجھے دیکھ کر، دیکھنا چاہتا ہوں

کہیں ٹوٹ جائے نہ دل بے کسی کا
نگاہ کرم کا آسرا چاہتا ہوں

محبت ہی اپنا بھی مذہب ہے لیکن
طریق محبت، جدا چاہتا ہوں

محبت میں یہ کیا ستم دیکھتے ہیں
بہت فرصتِ شوق کم دیکھتے ہیں

غم و درد و رنج و الم دیکھتے ہیں
محبت دکھاتی ہے ہم دیکھتے ہیں

وہاں اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں
جہاں موت کا سر قلم دیکھتے ہیں

کہاں تیرے جلوے کہاں اپنی نظر
غنیمت ہے جو کوئی دم دیکھتے ہیں

وہ کیا دیکھ سکتے ہیں اپنی ادائیں
ہمیں دیکھتے ہیں جو ہم دیکھتے ہیں

ہماری نظر سے بھی سمجھو تو جانیں
بہت بے نیازانہ ہم دیکھتے ہیں

تجھے بھی کسی دن سمجھنا ہے ظالم
ابھی اور اے چشمِ نم دیکھتے ہیں

نگاہِ محبت دکھاتی ہے سب کچھ
نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں

غنیمت تھا ارمانِ امید افزا
سو یہ حال بھی اب تو کم دیکھتے ہیں

نہ جانے محبت ہے کیا چیز؟ لیکن
بڑی ہی محبت سے ہم دیکھتے ہیں

محبت کو محبت تک ہی جو دنیا سمجھتے ہیں
خدا جانے وہ کیا سمجھے ہوئے ہیں کیا سمجھتے ہیں

جمالِ رنگ و بو تک حسن کی دنیا سمجھتے ہیں
جو ہر ذرہ کو سمجھتے ہیں وہ آخر کیا سمجھتے ہیں

کمالِ تشنگی ہی سے بجھا لیتے ہیں پیاس اپنی
اسی تپتے ہوئے صحرا کو ہم دریا سمجھتے ہیں

سمجھنے دے انھیں اے غیرتِ جوشِ جنوں ظالم
جہاں تک جا نہ پہنچے ہو وہ اپنا سمجھتے ہیں

ہم اُن کو عشق کیسا؟ ایسے غم کے بھی نہ قابل
یہ [illegible] ہوئی، ہر گز وہ ایسا سمجھتے ہیں

یہ کیا لطافت ہے کہ ہم پر [illegible]
مگر اس [illegible] کو [illegible] سمجھتے ہیں

ہمیں میں عشق کے مارے ہمیں پر ہے نظر اُن کی — ہمیں اپنا بنایا ہے ہمیں اپنا سمجھتے ہیں
محبت میں نہیں سیرِ مناظر کی ہمیں پروا — ہم اپنے ہر نفس کو اک نئی دنیا سمجھتے ہیں
نگاہِ شوق ہی کچھ جانتی ہے رازِ مستوری — وہ خود جلوہ ہیں اُن کا سب جسے پردا سمجھتے ہیں
اشاروں میں لٹا دیتے ہیں دولت دین و دنیا کی — گدائے محبت کو، وہ صرف اپنا سمجھتے ہیں
مے و مینا کے پردے اُن کو دھوکا دے نہیں سکتے — ازل کے دن سے جو رازِ مے و مینا سمجھتے ہیں
خبر اس کی نہیں اِن خام کارانِ محبت کو — اسی کو دکھ بھی دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں

فضائے نجد ہو، یا قیسِ عامر! اے جگر ہم تو
یہ جو کچھ ہے اُسے عکسِ رخِ لیلا سمجھتے ہیں

رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں انہیں ہوش نہیں — میکدہ ساز ہوں میں میکدہ بردوش نہیں
کونسا جلوہ یہاں آتے ہی بے ہوش نہیں — دل مرا دل ہے کوئی ساغرِ سرجوش نہیں
مرنے والے تجھے مرنے کا بھی کیا ہوش نہیں — ماں کا آغوش ہے، یہ موت کا آغوش نہیں
پاؤں اٹھ سکتے نہیں منزلِ جاناں کے خلاف — اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں
حسن سے عشق جدا ہے نہ جدا عشق سے حسن — کونسی شے ہے؟ جو آغوش در آغوش نہیں
مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گذشتہ کے نقوش — پھر بھی اک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں
ایک گوشے میں سمٹ آئے ہیں دونوں عالم — میرا دامن ہے کسی اور کا آغوش نہیں
اب تو تاثیرِ عشق، یہاں تک پہنچی — کہ ادھر ہوش اگر ہے تو ادھر ہوش نہیں
زیست ہے زیست جو گزرے بزبانِ عشق — موت ہے موت، اگر رقص نہیں جوش نہیں

کبھی ان مدبھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام
آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں

عشق اگر حسن کے جلووں کا ہے مرہونِ کرم
حسن بھی عشق کے احساں سے سبکدوش نہیں

اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں
میری آغوش کو اب حسرتِ آغوش نہیں

محوِ تسبیح تو سب ہیں مگر ادراک کہاں
زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

مل کے اک بار گیا ہے کوئی جس دن سے جگر
مجھ کو یہ وہم ہے جیسے مرا آغوش نہیں

مر کے بھی کب تک نگاہِ شوق کو رسوا کریں
زندگی تجھ کو کہاں پھینک آئیں آخر کیا کریں

جذبِ دل ممکن نہیں تو چشمِ دل ہی وا کریں
وہ ہمیں دیکھیں نہ دیکھیں ہم انہیں دیکھا کریں

اے جنوں قرباں ارے کیا عرضِ محبت کا صلہ
ہاں ابھی انداز سے کہدو "پھر ہم کیا کریں"

دیکھیے کیا شور اٹھتا ہے حریمِ ناز سے
سامنے آئینہ رکھ کر خود کو اک سجدہ کریں

ہائے یہ مجبوریاں، محرومیاں، ناکامیاں
عشق آخر عشق ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

عشق خود اپنی جگہ عین حقیقت ہے جگر!
عشق ہی میں مشغول نہ شانِ دلبری پیدا کریں

جب اپنا اپنا غم احباب سے کہتے ہیں
بہت بیتاب کہتے ہیں، بہت بیتاب کہتے ہیں

محبت بھی گنہگاری ہے تنہا لے کے جس کا جی چاہے
نہ بے پایاں بتاتے ہیں نہ ہم پایاب کہتے ہیں

زمانے بھر کی دولت کو غمِ جاناں ہی کہتا ہے
یہی نعمت ہے وہ نعمت جسے نایاب کہتے ہیں

عطا کر اے جمالِ حسن! وہ داغِ محبت بھی
زبانِ عشق میں جس کو گلِ شاداب کہتے ہیں

عبادت گاہِ جانِ عاشقاں کا پوچھنا ہی کیا
خمِ ابروئے جاناں کو خمِ محراب کہتے ہیں

اسی صورت بنا دیتے ہیں اکثر واردات اپنی
کہ جیسے ہم کسی کی داستانِ خواب کہتے ہیں

الٰہی آگ ہی لگ جائے تاثیرِ محبت کو
وہ آج اپنا بھی غم یا دیدۂ پُرآب کہتے ہیں

محبت جن کی اک اک موج میں لہریں لیتی ہو
ہم ایسے آنسوؤں کو گوہرِ بے آب کہتے ہیں

ہمارا بھی زمانہ تھا کبھی اے عشق سنتے ہیں
ہمارے پاس بھی تھا اک دلِ بیتاب کہتے ہیں

محبت کی ہر اک موجِ بلا ہی بحرِ بے پایاں
خوشا وہ اہلِ ہمت پھر بھی جو پایاب کہتے ہیں

کبھی پانی بھی جن آنکھوں کے تاروں نے نہیں مانگا
انھیں آنکھوں کے تاروں کو جگرؔ بے آب کہتے ہیں

اللہ اللہ عشق کی رعنائیاں
حسن خود لینے لگا انگڑائیاں

ہائے وہ غم کی کرم فرمائیاں
بھیگی راتیں اور وہ تنہائیاں

عشق ہے ہر موئے تن میں نغمہ زن
بج رہی ہیں ہر طرف شہنائیاں

کوئی دیکھے تو حریمِ شوق میں
خلوتوں کی انجمن آرائیاں

یادِ ظالم کو ذرا اپنی روک لو
لوٹے لیتی ہے مری تنہائیاں

دل کی چوٹیں ابھری آتی ہیں تمام
عشق کی چلنے لگیں پروائیاں

حسن کی جانب نہ جب جن گئیں
بڑھتے بڑھتے عشق کی رسوائیاں

سامنے جیسے وہ خود ہیں جلوہ گر
اللہ اللہ یہ حجاب آرائیاں

خود بڑھے آتے ہیں وہ میری طرف
کوئی دیکھے تو مری پسپائیاں

اب کہاں انساں جسے انساں کہیں — جلتی پھرتی دیکھ لو پرچھائیاں
غیر تو غیر اپنے سائے سے بھی ہم — دیکھنا اس دل کی وحشت زائیاں
حسن بھی ہے عشق بھی ہے جلوہ گر — ایک دل اور اس کی یہ پہنائیاں
کون پہنچا تا فرازِ بامِ حسن — کس نے دیکھیں عشق کی گہرائیاں
رہ گئی رکھی ہے عقلِ پختہ کار — عشق کی کام آ گئیں خود رائیاں
حسن سے بھی ڈگمگاتے ہیں قدم — عشق کرتا ہے جہاں درائیاں

یاد ہے اب تک جگر آغازِ عشق
شب ہمہ شب وہ خیال آرائیاں

عشق کی بڑھنے تو دو بربادیاں — کام آئیں گی یہ صحرا زادیاں
اللہ اللہ اعتباراتِ نظر — اور پھر ان سب کی بے بنیادیاں
اُس نگاہِ ناز ہی سے پوچھئے — اک اسیرِ شوق کی صیّادیاں
خود نہ تھی اپنی بھی جب تجھکو خبر — یاد کر اے عشق! وہ آزادیاں
کشورِ دل ہی میں گھٹ کر رہ گئیں — کیسی کیسی نازنیں شہزادیاں

عشق خود کرتا ہے اعلانِ شکست
حسن کو دیجے مبارکبادیاں

گناہوں کا مرکز بنا جا رہا ہوں — محبت کے ہاتھوں لٹا جا رہا ہوں
میں قطرہ ہوں لیکن بہ آغوشِ دریا — ازل سے ابد تک بہا جا رہا ہوں

مبارک مبارک مری یہ فنائیں
وہ عالم یہ چھایا چلا جا رہا ہوں

وہی حسن جس کے ہیں یہ سب مظاہر
اسی حسن میں حل ہوا جا رہا ہوں

یہ کس کی طرف ہے یہ کس کی طرف کو
میں ہم دوش موج فنا جا رہا ہوں

نہ جانے کہاں ہوں نہ جانے کدھر کو
بس اک اپنی دھن میں اڑا جا رہا ہوں

مجھے روک سکتا ہو کوئی تو روکے
کہ چھپ کر نہیں برملا جا رہا ہوں

مرے پاس آؤ۔ یہ کیا سامنے ہوں
مری سمت دیکھو یہ کیا جا رہا ہوں

لگا ہوں میں تا منزل مری پھر رہی ہے
یوں ہی گرتا پڑتا چلا جا رہا ہوں

تری مست نظریں غضب ڈھا رہی ہیں
یہ عالم ہے جیسے، اڑا جا رہا ہوں

کدھر ہی؟ تو اے غیرت حسن خوباں
محبت کے ہاتھوں بکا جا رہا ہوں

نہ ادراک ہستی، نہ احساس مستی
جدھر چل پڑا ہوں چلا جا رہا ہوں

نہ صورت نہ معنی، نہ پیدا نہ پنہاں
یہ کس حسن میں گم ہوا جا رہا ہوں

عہد رنگیں کی یادگار ہوں میں
یعنی اپنا ہی سوگوار ہوں میں

آنکہ بیتاب انتظار ہوں میں
دل کی اک آخری پکار ہوں میں

ذرۂ آستان یار ہوں میں
صدمہ و مہر در کنار ہوں میں

میری ہستی کا واہ کیا کہنا
تیری ہستی کا پردہ دار ہوں میں

نہ سہی تو ۔ ترا خیال تو ہے
یوں بھی فردوس در کنار ہوں میں

اُف جواں مرگیاں محبت کی ہائے کس کس کا سوگوار ہوں میں
نکہتِ گل کا بھی دماغ نہیں کتنا آزردۂ بہار ہوں میں
وہ حقیقت ہے خود مری ہستی جس حقیقت کا پردہ دار ہوں میں
اللہ اللہ نزاکتیں میری اپنی خاطر پہ بھی تو بار ہوں میں
تجھ کو تکلیفِ صد نظر ہے ہے اپنے ہونے پہ شرمسار ہوں میں

مجھ کو رنگِ خزاں سمجھ کے نہ دیکھ
مژدۂ آمدِ بہار ہوں میں

جو نہ کعبے میں ہی محدود نہ بت خانے میں ہائے وہ اور اک اجڑے ہوئے کاشانے میں
ملتی ہے عمرِ ابد عشق کے میخانے میں اے اجل تو بھی سما جا مرے پیمانے میں
ہم کہیں آتے ہیں واعظ ترے بہکانے میں اسی میخانے کی مٹی اسی میخانے میں
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں خلد شیشے میں ہے فردوس ہے پیمانے میں
حرم و دیر میں رندوں کا ٹھکانا ہی تھا وہ تو یہ کہیے اماں مل گئی میخانے میں
بام پر آ کے اٹھا دو رخِ تاباں سے نقاب اک اضافہ ہی سہی طور کے افسانے میں
آج تو کر دیا ساقی نے مجھے مستِ الست ڈال کر خاص نگاہیں مرے پیمانے میں
آج ساقی نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے کبھی میخانے سے باہر کبھی میخانے میں
آپ کہیں تو بھی ربطِ محبت کیا ہے اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے میں[1]

---

[1] سطحی نظر سے اگر دیکھا جائے تو ردیف میں "میں" صحیح نہ ہوگی بلکہ اس کی جگہ "سے" درست ہے لیکن اس محلِ خاص پر ردیف "میں" ہی مناسب سمجھتا ہوں (جگر عفی عنہ)

ہجو مے نے ترا اے شیخ بھرم کھول دیا تو تو مسجد میں ہے نیت تری میخانے میں

مشورے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جگرؔ
رند سُن لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

شاعرِ فطرت ہوں میں جب فکر فرماتا ہوں میں روح بن کر ذرے ذرے میں سما جاتا ہوں میں
آ کہ تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں
جس قدر افسانۂ ہستی کو دہراتا ہوں میں اور بھی بیگانۂ ہستی ہوا جاتا ہوں میں
جب مکان و لامکاں سب سے گزر جاتا ہوں میں اللہ اللہ تجھ کو خود اپنی جگہ پاتا ہوں میں
تیری صورت کا جو آئینہ اسے پاتا ہوں میں اپنے دل پر آپ کیا کیا ناز فرماتا ہوں میں
یک بیک گھبرا کے جتنی دور ہٹ آتا ہوں میں اور بھی اس شوخ کو نزدیک تر پاتا ہوں میں
میری ہستی شوقِ پیہم میری فطرت اضطراب کوئی منزل ہو مگر گزرا چلا جاتا ہوں میں
ہائے ری مجبوریاں ترکِ محبت کے لیے مجھ کو سمجھاتے ہیں وہ اور ان کو سمجھاتا ہوں میں
میری ہمت دیکھنا میری طبیعت دیکھنا جو سلجھ جاتی ہے گتھی پھر سے الجھاتا ہوں میں
حسن کو کیا دشمنی ہے عشق کو کیا بیر ہے اپنے ہی قدموں کی خود ہی ٹھوکریں کھاتا ہوں میں
تیری محفل تیرے جلوے پھر تقاضا کیا ضرور لے اٹھا جاتا ہوں ظالم لے چلا جاتا ہوں میں
تا کجا یہ پردہ داری ہائے عشق و لافِ حسن ہاں سنبھل جائیں دو عالم ہوش میں آتا ہوں میں
میری خاطر اب وہ تکلیفِ تجلی کیوں کریں اپنی گردِ شوق میں خود ہی چھپا جاتا ہوں میں
دل مجسم شعر و نغمہ وہ سراپا رنگ و بو کیا فضائیں ہیں کہ جن میں حل ہوا جاتا ہوں میں

تا کجا ضبطِ محبت، تا کجا دردِ فراق
رحم کر مجھ پر کہ تیرا راز کہلاتا ہوں میں

واہ رے شوقِ شہادت کوئے قاتل کی طرف
گنگناتا، رقص کرتا، جھومتا جاتا ہوں میں

یا وہ صورت خود جہانِ رنگ و بو محکوم تھا
یا یہ عالم اپنے سائے سے دبا جاتا ہوں میں

دیکھنا اس عشق کی یہ طرفہ کاری دیکھنا
وہ جفا کرتے ہیں مجھ پر اور شرماتا ہوں میں

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر
ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

و

الٰہی، ایک دعا ہے، اگر قبول نہ ہو
بہت غریب ہے دل ہی، کبھی ملول نہ ہو

تجھے بھی شاق نہ ہو، شوق بھی ملول نہ ہو
نظر قبول ہوئی ہے، اثر قبول نہ ہو

دعائے مرگ تو مانگی ہے آج گھبرا کر
میں کیا کروں گا جو یہ بھی اسے قبول نہ ہو

کمالِ عشق! یہ توفیق چاہتا ہوں میں
حصولِ جلوہ، باندازۂ حصول نہ ہو

جسے ہم اپنی محبت کا زخم کہتے ہیں
ترے ہی عارضِ رنگیں کا کوئی پھول نہ ہو

کسی کے خاطرِ نازک کا آ گیا ہے خیال
دعائیں مانگ رہا ہوں دعا قبول نہ ہو

جو تیرے ہجرِ مُبہر کا راز فاش کرے
تری جناب میں وہ دل کبھی قبول نہ ہو

کوئی گناہ نہیں، شوقِ دیدہ و ذوقِ نظر
مگر جو فرصتِ نظارگی کو طول نہ ہو

ستم ہو، قہر ہو، آفت، بلا ہو — یہ سب کچھ ہو، مگر، پھر دلرُبا ہو
کسی کے غم میں کوئی رو رہا ہو — کوئی پردے سے چھپ کر دیکھتا ہو

بتاؤ، کیا تمھارے دل پہ گذرے
اگر کوئی تمھیں سا بے وفا ہو

حُسن کے ہاتھ میں گر عشق کی تلوار نہ ہو — کوئی یوں جھوم کے سر دینے کو تیار نہ ہو
وصل شایاں نہ رہے ہجر سزاوار نہ ہو — میں کہیں کا نہ رہوں تو جو طرفدار نہ ہو
میں بھی ہر حال کو اے ہجر بنا دوں تو بھی — میرا انکار ترے وصل کا انکار نہ ہو
میں خطاکار، سیہ کار، گنہگار، مگر — کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو
مجھ کو سب کچھ دیا اک بت نے مگر یہ کہہ کر — تجھ کو اللہ کرے کچھ بھی سزاوار نہ ہو
میں چلوں عشق میں وہ راہ جو سب سے الگ — کچھ سجھائی نہ دے اور سطح بھی ہموار نہ ہو
آتش شوق جو بھڑکی ہے بھڑکتی ہی رہے — تجھ کو اللہ کرے تو بھی سزاوار نہ ہو

مانگ نظارۂ بے جلوہ کی توفیق جگر
یہ طلب وہ ہے کوئی حسن کا خواستگار نہ ہو

اک رندی اور مدحت سلطان مدینہ — ہاں کوئی نظر رحمت سلطان مدینہ
تو صبح ازل آئینہ حسن ازل بھی — اے صلِ علیٰ صورت سلطان مدینہ

داماں نظر تنگ و فراوانی جلوہ — اے طلعت حق، طاعت سلطان مدینہ
اے خاک مدینہ تری گلیوں کے تصدق — تو خلد ہے، تو جنت سلطان مدینہ
اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروف عبادت — دیکھوں میں در دولت سلطان مدینہ
اک ننگ غم عشق بھی ہے منتظر دید — صدقے ترے اے صورت سلطان مدینہ
کونین کا غم، یاد خدا، ورد شفاعت — دولت ہے یہی دولت سلطان مدینہ
اے عالم تکوین! ترے اسرار حقیقت — منجملہ اک آیت سلطان مدینہ
ظاہر میں غریب الغربا، پھر بھی یہ عالم — شاہوں سے سوا سطوت سلطان مدینہ
اس امت عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا — نازک ہے بہت غیرت سلطان مدینہ
اے جان بلب آمدہ ہشیار خبردار — وہ سامنے ہیں حضرت سلطان مدینہ

کچھ ہم کو نہیں کام جگر! اور کسی سے
کافی ہے بس، اک نسبت سلطان مدینہ

میری نظروں میں ہے اک جان وفا کا نقشہ — کس نے دیکھا ہے؟ اس انداز ادا کا نقشہ
عشق میں فرقت و قربت ہیں برابر دونوں — یہ قیامت کا سماں ہے وہ بلا کا نقشہ
دل میں کچھ بھی نہیں اب کثرت حسرت کے سوا — جم گیا ایک بت ہوش ربا کا نقشہ
تو نے دیکھا ہی نہیں تجھ سے کہوں کیا زاہد — ہائے اُس شوخ نگاہوں میں حیا کا نقشہ
دل میسر ہو تو کیا سیر دو عالم کی ہوس — اسی نقشے میں ہے کل ارض و سما کا نقشہ
دل میں جب درد اٹھا نور سا کوند اٹھا — کھنچ گیا سامنے اک برق ادا کا نقشہ

آج جھکتی نظر آتی ہے جبینِ کونین
دیکھنا یار کے نقشِ کفِ پا کا نقشہ

پاک رکھ، اشکِ ندامت سے بہرحال جگرؔ
دیکھنا ہے انھیں آنکھوں سے خدا کا نقشہ

اُف، یہ تیغ آزمائیاں، توبہ
تیری نازک کلائیاں، توبہ

کیا کریں، بندگانِ محبوبی
عاشقی کی خدائیاں، توبہ

منزلِ عشق، اے خدا کی پناہ
ہر قدم کربلائیاں توبہ

یادِ ایامِ شوق و عشق و جنوں
چرخ کی فتنہ زائیاں توبہ

لطفِ بیگانگی، معاذ اللہ
اس کی سادہ ادائیاں توبہ

حسن میں رقص کا سا اک عالم
شوق کی بے نوائیاں توبہ

ہائے غمازیاں نگاہوں کی
اپنی بے دست و پائیاں[1] توبہ

اُف، وہ احساسِ حسن پہلے پہل
یک بیک کج ادائیاں توبہ

اللہ اللہ عشق کی وہ جھجک
حسن کی سمجھ پائیاں توبہ

اُس کے دامن پہ دل کا جا پڑنا
ہم سے یہ بے وفائیاں توبہ

غیظ سے اور وہ لیا یہ وہ تسکینیں
دل پہ زور آزمائیاں توبہ

آستینوں کا وہ چڑھا لینا
گوری گوری کلائیاں توبہ

---

[1] بے دست و پا جس مفہوم میں مستعمل ہے اس اعتبار پر میں نے اسے ایک لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس بنا پر جمع بنا لینا غلط نہیں سمجھتا۔ (جگرؔ)

نظروں نظروں میں کاوشِ پیہم ۔ دل ہی دل میں لڑائیاں توبہ
سوزِ غم کی شکایتیں ہے ہے ۔ دردِ دل کی دہائیاں توبہ
برملا سخت رنجشیں باہم ۔ غائبانہ صفائیاں توبہ
اپنے مطلب سے عشق کی چھیڑیں ۔ ظاہری بے وفائیاں توبہ
حسن و توہینِ عشق ہائے غضب ۔ اپنی وہ خودستائیاں توبہ
غیرتِ عشق، اے معاذ اللہ ۔ ایک دم بے وفائیاں توبہ
شبنم آلود وہ حسیں آنکھیں ۔ رخ پہ اڑتی ہوائیاں توبہ
اس کی غم التفاتیاں ہے ہے ۔ اپنی بے اعتنائیاں توبہ
سرِ سودا کی شورشیں پیہم ۔ ہر طرف جگ ہنسائیاں توبہ
رفتہ رفتہ وہ بے پناہ سکوت ۔ سب سے ناآشنائیاں توبہ
موت سے ہر نفس وہ راز و نیاز ۔ موت تک کی ہم نوائیاں توبہ
ناگہاں آمد آمدِ محبوب ۔ غم کی بے انتہائیاں توبہ
یک بیک آنکھ چار ہو جانا ۔ دیر تک رونمائیاں توبہ
نظروں نظروں میں سرگذشتِ فراق ۔ دونوں جانب دہائیاں توبہ
حسن کی لہر پھر سے دوڑا کر ۔ اُس کی مختصر نمائیاں توبہ
پھر وہی چشمِ مست و جامِ بدست ۔ پھر وہی نغمہ زائیاں توبہ
پھر وہی لب، وہی تبسمِ ناز ۔ پھر وہی کج ادائیاں توبہ

پھر وہ اک بیخودی کے عالم میں ملِ کے باہم جدائیاں توبہ
ہجومے اور پھر جنابِ جگر
پی پلا کر بُرائیاں، توبہ

کچھ نہ زمان و مکاں کچھ نہ سفید و سیاہ اشہد ان لا الٰہ، اشہد ان لا الٰہ
غنچہ و نسرین و گل، انجم و خورشید و ماہ یہ بھی مری رہ گذر، وہ بھی مری گردِ راہ
عشق نظر آفریں اور نظر معصیت عشق تمنا نژاد، اور تمنا گناہ
حاصلِ صد عرضِ غم، مایۂ صد عرضِ شوق اک مترنم سکوت، اک متبسم نگاہ

ی

دل میں اک رشکِ حور رہتا ہے پاس رہتا ہے، دور رہتا ہے
میں تو رکھوں ہزار پہلو میں کیا دلِ ناصبور رہتا ہے
ہو گیا کیا مُرید سے زاہد اب تو چہرے پہ نور رہتا ہے
پوچھتا ہے یہ اُن نگاہوں سے عشق کیوں ناصبور رہتا ہے
چشمِ ساقی کی خیر ہو یارب بے پیے ہی سرور رہتا ہے
عشق مرنے پہ بھی نہیں مٹتا یہ تعلق ضرور رہتا ہے

وہی آہیں، وہی ہوں میں لیکن
اب دھواں دور دور رہتا ہے

سن تو اے دل! یہ برہمی کیا ہے — آج کچھ درد میں کمی کیا ہے
دیکھ لو! رنگ روئے ناکامی — یہ نہ پوچھو! کہ بے کسی کیا ہے
انتہا ناکامیٔ طلب کی قسم — عین دریا ہے تشنگی کیا ہے
جسم محدود، روح لامحدود — پھر یہ اک ربط باہمی کیا ہے
اے فلک! اب مجھے تو دکھلا دے — زور بازوئے بے کسی کیا ہے
ہم نہیں جانتے محبت میں — رنج کیا چیز ہے؟ خوشی کیا ہے

اک نفس غلط، یہ اک نفس دو رخ
کوئی پوچھے یہ زندگی کیا ہے

اک شوق دید بے حد سب کچھ دکھا رہا ہے — کوئی نہ آ رہا ہے کوئی نہ جا رہا ہے
غم عشق کے خزینے خوش خوش لٹا رہا ہے — اس ہاتھ کھو رہا ہے اس ہاتھ پا رہا ہے
آنکھیں بچھی ہوئی ہیں میخانۂ تصور — اک مست آ رہا ہے اک مست جا رہا ہے
ہمدم کو اس سے مطلب ناصح کو کیا غرض ہے — میرا مٹانے والا مجھ کو مٹا رہا ہے
معراج شوق کہیے یا حاصل تصور — جس سمت دیکھتا ہوں وہ مسکرا رہا ہے
سخت جگر گزار ہو لے اب اے عشق نامکمل — دل اتری نشتر دل سے تسکین پا رہا ہے
اُن کی وہ آمد آمد اپنا یہ حال عالم — اک رنگ آ رہا ہے اک رنگ جا رہا ہے

حسن و عشق ہیں دونوں رو رہا کر رہے ہیں جگر
وہ بھی جگر زمانہ ہنس کر آ رہا ہے

اسی حال و قال سے واسطہ، نہ غرض مقام و قیام سے
جسے کوئی نسبتِ خاص ہو ترے حسنِ برق خرام سے

مجھے دے رہی ہیں تسلیاں، وہ ہر ایک تازہ پیام سے
کبھی آ کے منظرِ عام پر، کبھی ہٹ کے منظرِ عام سے

کہوں کیا؟ رہا جو مقابلہ، خطرات گام بہ گام سے
سرِ بامِ عشق تمام تک، رہِ شوقِ نیم تمام سے

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے ترے نام سے

مرے ساقیا مرے ساقیا! تجھے مرحبا، تجھے مرحبا
تو پلائے جا، تو پلائے جا، اسی چشم جام بہ جام سے

تری صبح عیش ہے کیا بلا؟ تجھے اے فلک جو ہو حوصلہ
کبھی کر لے آ کے مقابلہ، غمِ ہجرِ یار کی شام سے

مجھے یوں نہ خاک میں تو ملا، میں اگرچہ ہوں ترا نقشِ پا
ترے جلوے جلوے کی ہے بقا، مرے شوق نام بنام سے

تری چشمِ مست کو کیا کہوں، کہ نظر نظر ہے فسوں فسوں
یہ تمام ہوش، یہ سب جنوں، اسی ایک گردشِ جام سے

یہ کتابِ دل کی ہیں آیتیں، میں بتاؤں کیا جو ہیں نسبتیں

مرے سجدہ ہائے دوام کو، ترے نقش ہائے خرام سے
مجھے چاہیے وہی ساقیا! جو برس چلے جو چھلک چلے
ترے حسن شیشہ بدست سے، تری چشم بادہ بجام سے
جو اٹھا ہے درد اٹھا کرے کوئی خاک اس سے گلا کرے
جسے ضد ہو حسن کے ذکر سے، جسے چڑ ہو عشق کے نام سے
وہیں چشمِ حور پھڑک گئی، ابھی پی نہ تھی کہ بہک گئی
کبھی یک بیک جو چھلک گئی کسی رندِ مست کے جام سے
تو ہزار عذر کرے مگر، ہمیں شک ہے اور ہی کچھ جگر!
ترے اضطرابِ نگاہ سے، تری احتیاطِ کلام سے

اب مرے سامنے ٹھہرے تو گلستاں کوئی
ہو چلا ہے مری صورت سے نمایاں کوئی

چھپ کے رہتا ہی نہیں رازِ گلستاں کوئی
غنچے غنچے کی زباں سے ہے گل افشاں کوئی

ایسا ہے وصل کہ یا غمِ ہجراں کوئی
پردۂ یاس میں ہے سلسلہ جنباں کوئی

اس طرح آج ہی محسوس کر گیا کوئی
ایک اک سانس میں جیسے ہو خراماں کوئی

خیر ہے آپ نے کیوں غیظ میں تیور بدلے
اپنی ناکامِ محبت پہ ہے نازاں کوئی

کیا وہ منظر دل کا مرے حسنِ تلاطم مجھے
جس نے دیکھا ہی نہ ہو جلوۂ رقصاں کوئی

چشمِ دیوانگیِ شوق یہاں بھی نہ کھلی
غرقِ صد حشر ہے اور مست غزلخواں کوئی

عشق بھی رنگِ تعین کا اٹھا دے پردہ
سامنے آئے تو بے قیدِ رگِ جاں کوئی

بے حقیقت نہ سمجھ اے ناصحِ ناداں ان کو
انھیں اشکوں میں نہ ہو حسن کا طوفاں کوئی

شوق نے توڑ دیے وہ بھی جو باقی تھے قیود
لوٹ لے آ کے بہارِ چمنِ جاں کوئی

اور کیا چاہتی ہے بلبلِ شوریدہ مزاج
پردۂ گل میں ہے خود چاک گریباں کوئی

یک بیک سامنے آیا نہ کرو بے پردہ
لے کے اڑ جائے نہ یہ عالمِ امکاں کوئی

غنچے اس کے ہیں گل اس کے ہیں بہاریں اس کی
خون ہی اپنے بنائے جو گلستاں کوئی

نگہِ یار کے مخصوص اشاروں کے سوا
مذہبِ عشق میں ہے کفر نہ ایماں کوئی

اللہ اللہ مری چشمِ جنوں کی لہریں
نظر آ جاتا ہے جب چاک گریباں کوئی

چاہیے تیرے تصور سے بھی ایسے میں گریز
کیوں گوارا کرے تجھ کو شریکِ غمِ ہجراں کوئی

ہائے وہ حسن کا انداز کہ جس وقت جگر
عشق کے بھیس میں آتا ہے نمایاں کوئی

نظر فروز رہے، سامعہ نواز رہے
زہے مجاز کہ وہ زینتِ مجاز رہے

کہاں جمالِ حقیقت، کدھر مجاز رہے
جو تیرے رخ پہ نہ حائل حجابِ ناز رہے

ہمیں وہ اب ہیں جو کھوئے ہوئے سے پھرتے ہیں
ہمیں وہ تھے کہ ترے رازدارِ راز رہے

الٰہی اس دلِ راز آشنا کو کیا کہیے
جو اس طرح سے بھی نا آشنائے راز رہے

نفس کے پردے میں بھی ہے اسی کا عکسِ جمال
بہت ہے سوزِ محبت نفس گداز رہے

کھلا یہ راز تری جلوہ گاہِ قربت میں
جو تجھ سے دور رہے آشنائے راز رہے

جبینِ سجدہ میں ایسی کبھی تڑپ تو نہ تھی
وہ آج خود بھی مگر شاملِ نماز رہے

ترے سوا تری محفل سے کیا غرض مجھ کو
خروشِ نغمہ رہے یا سکوتِ ساز رہے

تری امانتِ غم کا تو حق ادا کر لوں
خدا کرے شبِ فرقت ابھی دراز رہے

ترے بغیر تو جینا روا نہیں لیکن
میں کیا کروں جو ترا غم ہی جاں نواز رہے

جراحتیں دلِ بسمل کی روح تک پہنچیں
درازدستیِ قاتل ابھی دراز رہے

بحکمِ خاص ہے ساقی کا آج محفل میں
جگر سا ایک بھی کافر نہ پاکباز رہے

کچھ اس طرح وہ پسِ پردۂ مجاز رہے
حجابِ ساز میں جیسے نوائے ساز رہے

نہ کوئی راز رہا ہے نہ کوئی راز رہے
نفس نفس میں وہ خود ہی جو نے نواز رہے

تری نگہ جو اسی طرح گرمِ ناز رہے
بشر تو کیا نہ فرشتہ بھی پاکباز رہے

خطا معاف کسی اور کا تو ذکر ہی کیا
نیاز مند ترے تجھ سے بے نیاز رہے

جنونِ سجدہ کو کیا اہلِ ہوش سے مطلب؟
ترا خیال بھی کیوں شاملِ نماز رہے

یہاں تو کام ہی اک نشترِ توجہ سے
نگاہ قہر رہے یا نگاہ ناز رہے

محبت اصلِ حقیقت، محبت اصلِ مجاز
وہ کم نظر تھے جو بیگانۂ مجاز رہے

جبین و سجدہ کی توہین ہے جبیں سائی
جبین و سجدہ میں کچھ بھی جو امتیاز رہے

ترے نثار، عطا کر وہ ایک لطفِ خلش
تمام عمر محبت کو جس پہ ناز رہے

نگاہِ ناز سے چھلکا رہا ہے کوئی
وہ پاکباز نہیں آج پاکباز رہے

زمانہ آج ہی غرقِ شراب تھا زاہد
سمجھ اور یہ جو وہ چشمِ نیم باز رہے

دکھاؤں عشق کی خودداریاں جگرؔ میں بھی
جو ایک بات پہ قائم غرورِ ناز رہے

مسلسل

ملا کے آنکھ نہ محرمِ ناز رہنے دے
تجھے قسم، جو مجھے پاکباز رہنے دے

میں اپنی جان تو قربان کر چکوں تجھ کو
یہ چشمِ مست ابھی نیم باز رہنے دے

ترے ہی شیوۂ عاشق کشی کی تجھ کو قسم
اسی طرح مژہ ہائے دراز رہنے دے

ہٹا نہ سینۂ عاشق سے رُخ کسی جانب
نگاہِ ناز کو نشتر نواز رہنے دے

گلے سے تیغِ ادا کو جدا نہ کر قاتل
ابھی یہ منظرِ راز و نیاز رہنے دے

یہ تیرِ ناز ہے تو شوق سے چلائے جا
خیالِ خاطرِ اہلِ نیاز رہنے دے

قتیلِ غمزۂ خوں ریز ہو لیا، قصہ معاف
اشارۂ نگہِ دل نواز رہنے دے

بجھا نہ آتشِ پنہاں کرم کے چھینٹوں سے
دلِ جگر کو مجسم گداز رہنے دے

غیر مسلسل

مجھے ہلاکِ فریبِ مجاز رہنے دے
نہ چھیڑ، اے نگہِ امتیاز! رہنے دے

یہ جان آج نکلتی ہی جس کے قدموں کی — خدا کرے مرا ایمانِ ناز رہنے دے
مرا زِ عشق کو بیگانۂ جہاں کر دو — مگر جو مصلحتِ حسن راز رہنے دے
خدا نے دی ہی یہ نعمت تو رکھ اُسے بے عیب — غرورِ حسن کو تا حدِ ناز رہنے دے
یہ بات کیا؟ کہ حقیقت وہی مجاز رہی — مجاز ہی تو پھر اُس کو مجاز رہنے دے
یہ جام ایک بلا نوش کا ہے اے ساقی — نہ پھینک دُردِ مئے خانہ ساز رہنے دے
یہ خانقاہ نہیں پی بھی جا ارے اہل — یہ میکدہ ہی، یہاں احتراز رہنے دے
ازل سے حسن تو عاشق نواز ہی لیکن — جو عشق ہی اُسے عاشق نواز رہنے دے
اُسے نہ آئینہ سمجھو، وہ اور ہی شے ہی — جس آئینے کو خود آئینہ ساز رہنے دے
لٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے — بس اک تبسم عاجز نواز رہنے دے

گذرتی ہی جو دلِ عشق پر نہ پوچھ جگر!
یہ خاص رازِ محبت ہی راز رہنے دے

حال بھی ماورائے حال بھی ہے — عشق ممکن بھی ہی، محال بھی ہے
پھر بھی تجھ سے ہزار شکوے ہیں — جانتا ہوں، ترا خیال بھی ہے
کر دئے جاتے ہیں معاف، عذرِ کرم — اور پھر پرسشِ ملال بھی ہے
دل کے ہر اضطرابِ نازک میں — شانِ بینائی جمال بھی ہے
ہر ستم ہے کرم کے پردے میں — اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے
رہ گئے محوِ یک نظر ہو کر — اب کسے فرصتِ خیال بھی ہے

دور ہٹتا نہ منزلِ دل سے — وصل بھی ہے نہیں وصال بھی ہے
چھپائے جاتے ہیں دردِ دل بن کر — اس پہ تاکیدِ ضبطِ حال بھی ہے
حسن کے ہر جمال میں پنہاں — میری رعنائیِ خیال بھی ہے
دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں — کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے
لاکھ رسوا سہی جگر! لیکن
خوش نظر بھی ہے خوش خیال بھی ہے

کیا خاک سیر کیجے دنیائے رنگ و بو کی — مہلت نہ آرزو کی، فرصت نہ جستجو کی
یہ حدِ آخری ہے، عاشق کی جستجو کی — بن بن کے مٹ رہی ہے، ہر شکل آرزو کی
تم دل اسی سمجھ لو یا جان آرزو کی — سینے میں اب ہے پہلے اک بوند تھی لہو کی
اللہ شرم رکھ لے تو میرے جنگجو کی — آئینہ روبرو ہے، چوٹیں ہیں دوبدو کی
تو وہ بہارِ تازہ دنیائے رنگ و بو کی — اک بار جس نے دیکھا تا حشر آرزو کی
طے منزلیں ہوئی ہیں فی الحال عشق و آرزو کی — کچھ میں نے جستجو کی کچھ اس نے جستجو کی
اب کیا جواب دوں میں کوئی مجھے بتائے — وہ مجھ ہی سے کہتے ہیں کیوں میری آرزو کی
یہ ترکِ جستجو بھی، کیا ترکِ جستجو ہے — اس میں بھی پا رہا ہوں اک شان جستجو کی
پھر دل نوازیاں ہیں، پھر چارہ سازیاں ہیں — پہچانتا ہوں نظریں اس شوخ فتنہ جو کی
ہاں نشترِ نوازش، اک اور بھی اشارہ — محسوس ہو چلی ہے جنبش رگِ گلو کی
آئینے کے لیے بلبلیں، سب ہر طرف سے نظریں — دل ہی کو بت بنایا، دل ہی سے گفتگو کی

ناکام جستجو سب فریاد کر رہے ہیں — اے کاش کوئی سنتا فریادِ جستجو کی

وہ ایک گوشۂ دل جسمیں لاکھ تنگی کر — میں نے بہت چھپایا اُس کی نظر نہ چوکی

آئے مرے مقابل حسن کو ہو زعمِ تمکیں — تصویر کھینچتا ہوں اک حسنِ شعلہ خو کی

عالم ہی چھپنے والے! معلوم ہے تیرا چھپنا — سو بار تجھکو دیکھا سو بار گفتگو کی

پردہ جب اٹھ گیا ہے دیکھا یہی ہے اکثر — اپنی ہی آرزو میں اپنی ہی جستجو کی

مجرم بنا ہوا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں — میں وہ ہوں تو نے ظالم خود حسن کی آرزو کی

راتیں گزر رہی ہیں یکسانیِ فرقت — جب دل کو آگیا غش تازہ ہوئی گفتگو کی

دل خود بھی تنگ ہے اب لیکن علاج اُس کا — عادت سی پڑ گئی ہے ظالم کو جستجو کی

عین شگفتگی ہے، حسن شکستگی ہے — چاکِ قبائے گل کو حاجت نہیں رفو کی

تو خوب جانتا ہے، او جان و دل کے مالک
ہر حال میں جگر نے تیری ہی آرزو کی

یہ مے کشی ہے تو پھر شانِ مے کشی کیا ہے؟ — بہک نہ جائے جو پی کر، وہ رند ہی کیا ہے؟

بس ایک سمت اڑا جا رہا ہوں وحشت میں — خبر نہیں کہ خودی کیا ہے؟ بیخودی کیا ہے؟

میں ہر مرگ گوارا کروں کہ تلخیِ زیست — مری خوشی تو ہے سب کچھ تری خوشی کیا ہے؟

لبوں پہ موجِ تبسم، نگہ میں کیفِ غضب — کوئی بتائے؟ یہ اندازِ برہمی کیا ہے؟

کسے مجال کہ افشائے رازِ یار کرے — یہ زندگی ہی نہ سمجھو کہ زندگی کیا ہے؟

ستم کشانِ محبت سے کوئی پوچھے تو — امید پر ہی بسر ورنہ امید ہی کیا ہے؟

۵۹

کہاں کی خانقہ و مسجد و کنشت و بہشت — فقیر ہوں، مرے ساقی کے گھر کمی کیا ہے؟
یہ درس میں نے لیا، مکتبِ محبت سے — کسی طرح، جو بہل جائے زندگی کیا ہے؟

اسی کے واسطے، تو بھی ہے، مے کشی بھی جگر
خبر نہیں جسے تو کیا ہے؟ مے کشی کیا ہے؟

شائستۂ غرور تمنا نہ کیجئے — ایسی نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجئے
وعدہ تو کیجئے مگر ایفا نہ کیجئے — محدودِ وصل، شوق کی دنیا نہ کیجئے
رعنائیٔ خیال کو رسوا نہ کیجئے — ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجئے
کیا جانے کب آہ کی تاثیر جاگ اٹھے — گہری نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجئے
کافی ہے اک نگاہِ کرم، التجا کے بعد — تازہ کوئی فسونِ تماشا نہ کیجئے
موسیٰ کی طرح کون سنے لن ترانیاں — بے عیب ہے جو حسن تو پروا نہ کیجئے
یا دیکھ کر نہ دیکھئے کچھ ماسوائے دوست — یا دیکھنے کی طرح سے دیکھا نہ کیجئے
دیوانہ کر کے دیجئے پھر مجھکو اذنِ ہوش — ہشیار کر کے پھر مجھے دیوانہ کیجئے
ماتم گسار کون ہے اب دل کی لاش کا — کہتے نہ تھے کہ خونِ تمنا نہ کیجئے
تاثیرِ شوق و یاس کا پردہ الٹ نہ دے — اتنے قریب سے مجھے دیکھا نہ کیجئے
ہر جلوہ ہے بجائے خود اک دعوتِ نگاہ — کیا کیجئے جو تیری تمنا نہ کیجئے
یوں چشمِ شوق دیکھ ہی لیتی ہے کچھ نہ کچھ — پردے کا ہے خیال تو پروا نہ کیجئے
تفسیرِ عشق و حسن جگر مصلحت نہیں — افشائے رازِ قطرہ و دریا نہ کیجئے

محبت میں جدھر دیکھو بہارِ جاودانی ہے — ہجومِ رنگ و بو ہے حسن و نغمہ ہے جوانی ہے
جنونِ عشق میں حاصل یہ لطفِ زندگانی ہے — نظر کو دل سے اور دل کو نظر سے بدگمانی ہے
ترے سر کی قسم تجھ سا ہی اک محبوب ثانی ہے — یہی نقشہ یہی انداز، ایسی ہی جوانی ہے
خدایا خیر کرنا، نبض بیمارِ محبت کی — کئی دن سے بہت برہم مزاجِ ناتوانی ہے
کسی کو آج مجبورِ ترنم کر بھی دے اے دل — بہت مدت ہوئی خاموش سازِ لن ترانی ہے
الٰہی بھیج دے ایسے میں اس جانِ تمنا کو — سکوتِ شب کا سناٹا ہے اور دل کی کہانی ہے
تجھے اے عشق سینے سے لگا لوں پیڑ دل ہے — ترے ہر درد میں پنہاں نشاطِ جاودانی ہے
یہ بتلا اور کچھ تیرے سوا کونین میں کیا ہے؟ — یہ مانا جو بھی ہے تیرے سوا اے دوست فانی ہے
نہ کر آلودۂ لفظ و بیاں شرحِ محبت کو — محبت ہی بجائے خود زبانِ بے زبانی ہے
ترے حسنِ حیات افروز کو دیکھا ہے جب سے — بہت مجھکو عزیز اس دن سے اپنی زندگانی ہے
الٰہی شرم تیرے ہاتھ ہے آدابِ محفل کی — وہ نازک طبع مہماں ہے جنوں کی میہمانی ہے
لئے پھرتا ہوں اک تصویرِ حسرت اپنی آنکھوں میں — خدا بخشے دلِ مرحوم کی زندہ نشانی ہے
انھیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں ملا ظالم — پیامِ دردِ دل ہے اور آنکھوں کی زبانی ہے

ترے جورِ مسلسل کی قسم، او پوچھنے والے
جگر کے حال پر، تیرا کرم ہے، مہربانی ہے

جنونِ عشق کا اتنا تو حق ادا کرتے — انہیں بھی اپنی طرح عالمِ آشنا کرتے
حیاتِ درد سہی، پھر بھی آہ کیا کرتے — فنا کی چیز جو ہوتی تو ہم فنا کرتے

تمام منظرِ ہستی کو ایک جا کرتے
پھر اپنی شرحِ محبت جدا جدا کرتے

محبت اصلِ حقیقت ہی اسکو کیا کرتے
ہم التجا جو نہ کرتے، وہ التجا کرتے

وہ ہنس رہی ہیں مرے حال پر ہنسا کرتے
یہ بہہ رہے ہیں جو آنسو یونہی بہا کرتے

نہ تھا پسند کہ محروم التجا کرتے
وگرنہ دل وہ کسی کا پسند کیا کرتے

یہ کیا مجال، کہ ہم ترکِ التجا کرتے
دہن کو ہی بھی جو لیتے نظر کو کیا کرتے

نمازِ عشق یہاں ہی نفس نفس جاری
کبھی ادا ہی نہ ہوتی اگر قضا کرتے

یقیں کرو کہ تمھاری جگہ جو ہم ہوتے
محبتوں کے خزانے لٹا دیا کرتے

دلِ ایک شاہدِ معنی سہی مگر پھر بھی
تمھاری سامنے ہم بے نقاب کیا کرتے

حجاب نے انھیں رکھا حجاب میں ورنہ
جب آتے سامنے اپنا ہی سامنا کرتے

وہ عرضِ شوق پہ اے کاش اور کچھ نہ سہی
نگاہ نیچی کیے، مسکرا دیا کرتے

نہ انتہا ہے، نہ کچھ ابتدا محبت کی
جو انتہا کوئی ہوتی، تو ابتدا کرتے

نہیں جو وصل میسر، نصیب ہجر تو ہے
ہم اپنے فرق کا اُن سے ملال کیا کرتے

عشق کی حد ہی نکلیے، پھر یہ منظر دیکھیے
کاش حسنِ یار کو، ہم حسن بن کر دیکھیے

غنچہ و گل دیکھیے یا ماہ و اختر دیکھیے
تم نظر آتے ہیں ہم کو کوئی منظر دیکھیے

دور جا کر دیکھیے، نزدیک آ کر دیکھیے
ہم سے ہو سکتا تو ہم ان کو برابر دیکھیے

فطرتِ مجبور پہ قابو ہی کچھ چلتا نہیں
ورنہ ہم تو تجھ سے بھی تجھ کو چھپا کر دیکھیے

پھر وہی حسرت ہے ساقی پھر اسی انداز سے
پھر سوا ساغر کے سب کچھ غرق ساغر دیکھتے

میری چپ رہنے پہ کیا؟ وہ باز رہتے چھیڑ سے
مسکرا کر دیکھتے، پھر مسکرا کر دیکھتے

عشق سرتاپا نظر، نازک مزاج حسن دوست
دیکھتے بھی ہم اگر اس کو تو کیونکر دیکھتے

مل گئیں نظروں سے نظریں اور مل کر رہ گئیں
چشم ساقی دیکھ کر کیا جام و ساغر دیکھتے

تشنگان دید جلوہ میں ہمیں سمجھا ہے کیا
تم اگر صورت دکھاتے جان دے کر دیکھتے

مرمٹا اک بات پر کس آن سے کس شان سے
آپ اگر ایسے میں ہوتے دل کے تیور دیکھتے

زاہد مسجد نشیں ہیں اور اک ٹوٹا سا ظرف
میکدے میں اہتمام جام و ساغر دیکھتے

وائے محرومی قسمت رہ گئی حسرت یہی
ایک دن تو ہم انھیں اپنے میں آ کر دیکھتے

ہائے وہ چہرہ اور آنکھیں وہ تڑپتی بجلیاں
کاش اک دن پھر اسے گستاخ بن کر دیکھتے

دم بخود ہیں حضرت زاہد ہمیں تک تک کر
ہوش اڑ جاتے اگر شیشے سے باہر دیکھتے

یا مذاق دید کی ہمت نہ لیتے، اے جگر
یا مجسم دل سراپا آنکھ بن کر دیکھتے

کیا برابر کا محبت میں اثر ہوتا ہے
دل ادھر ہوتا ہے ظالم نہ ادھر ہوتا ہے

ہم نے کیا کچھ نہ کیا دیدہ و دل کی خاطر
لوگ کہتے ہیں دعاؤں میں اثر ہوتا ہے

دل تو یوں دل ہی ملایا کہ نہ رکھا میرا
اب نظر کے لئے کیا حکم نظر ہوتا ہے

میں گنہگار جنوں میں نے یہ مانا لیکن
کچھ ادھر سے بھی تقاضائے نظر ہوتا ہے

کون دیکھے اسے بیتاب محبت اے دل
تو وہ نالے ہی نہ کر جن میں اثر ہوتا ہے

خوشا بیداد، خونِ حسرتِ بیداد ہوتا ہے
ستم ایجاد کرتے ہو کرم ایجاد ہوتا ہے

بظاہر کچھ نہیں کہتے، مگر ارشاد ہوتا ہے
ہم اس کے ہیں جو ہم پر ہر طرح برباد ہوتا ہے

مرے ناشاد رہنے پر وہ جب ناشاد ہوتا ہے
بتاؤں کیا جو میرا عالمِ فریاد ہوتا ہے

یہی ہے رازِ آزادی جہاں تک یاد ہوتا ہے
کہ نظریں قید ہوتی ہیں تو دل آزاد ہوتا ہے

دلِ عاشق بھی کیا مجموعۂ اضداد ہوتا ہے
اُدھر آباد ہوتا ہے، اِدھر برباد ہوتا ہے

وہ ہر اک واقعہ جو صورتِ افتاد ہوتا ہے
کبھی پہلے بھی دیکھا تھا کچھ ایسا یاد ہوتا ہے

بڑی مشکل ہی سے پیدا اک وہ آدم زاد ہوتا ہے
جو خود آزاد، جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے

نگاہیں کیا کہ ہر دل بھی واقف ہو نہیں سکتا
زبانِ حسن سے ایسا بھی کچھ ارشاد ہوتا ہے

تغیّر ہو طعنہ زن مجھ پر مقتضائے وقت
کوئی اپنی خوشی سے خانماں برباد ہوتا ہے

یہ مانا ننگِ پابندی سے کیا آزاد کو مطلب
مگر وہ شرمِ آزادی سے بھی آزاد ہوتا ہے

تصور میں ہے کچھ ایسا تری تصویر کا عالم
کہ جیسے اب لبِ نازک سے کچھ ارشاد ہوتا ہے

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی
سناتا جا رہا ہے جس کو جتنا یاد ہوتا ہے

یوں بھی مجھے تو حاصل آرامِ جاں نہیں ہے
اب تو جو مہرباں ہو دل مہرباں نہیں ہے

جو داستاں ہے اپنی افسانہ ہے کسی کا
شاید مرے دہن میں میری زباں نہیں ہے

ہاں اے خیالِ جاناں اک اور بھی تجلی
دنیا مری نظر میں اب تک جواں نہیں ہے

ہر نقطہ کر رہا ہے بعد انقلابِ فطرت
یعنی جہاں ابھی تھی دنیا وہاں نہیں ہے

دل کی جراحتوں کو کچھ دل ہی جانتا ہے — ظاہر میں دیکھئے تو کوئی نشاں نہیں ہے
شاید تری نظر سے کچھ رازِ دل سمجھ لوں — کہتے ہیں عشق جس کو میری زباں نہیں ہے
جو کچھ میں دیکھتا ہوں میری نظر سے دیکھو — عین مشاہدہ ہے وہم و گماں نہیں ہے

تیرے کرم کے صدقے، کر لے ستم بھی شامل
دل شادماں ہے لیکن غم شادماں نہیں ہے

دل ترے عشق میں ناشاد بھی ہے شاد بھی ہے — یہی نغمہ، یہی فریاد، یہی یاد بھی ہے
اب بھی کیا دل کو نہ سمجھو گے سزاوارِ کرم — مجرمِ شوق بھی ہے، ملزمِ فریاد بھی ہے
تم مری آنکھ سے دیکھو تو یہ دنیائے جمال — ہائے کیا چیز مرا عشقِ خداداد بھی ہے
ہر وہ ناچیز سا ذرہ جسے تم دیکھتے ہو — اس کو سن لو تو یہ نغمہ بھی ہے فریاد بھی ہے
تم جو ایسے میں چلے آؤ تو رو لوں جی بھر — صبح کا وقت بھی ہے خاطرِ ناشاد بھی ہے

اب کہاں آہ مجھے فرصتِ یک لحظۂ گریہ
سینۂ عشق بھی ہے، نشترِ فریاد بھی ہے

وہ کون ہے ایسا! کہ تری شکل دکھا دے — احسان ہے اس کا جو مجھے مجھ سے ملا دے
ہاں جذبۂ غم عشق کی تاثیر دکھا دے — مجبور نہ بن حسن کو مجبور بنا دے
تو چاہے تو اے جلوۂ اعجازِ محبت — تصویر کو تصویر کا دیوانہ بنا دے
تو حسن ہے، میں عشق ہوں تو جان ہے میں جسم — کس کی ہے یہ طاقت کہ تجھے مجھ سے چھڑا دے
اے جانِ دو عالم! ترے عالم کے تصدق — اپنا جو بنایا ہے تو اپنا سا بنا دے

جنت میں بھی ایسا تو نہ ہوگا گلِ خنداں
اے زخمِ جگر! نیتِ قاتل کو دعا دے

کیوں دور رہتے جائیں ہم دل کی سرزمیں سے
دونوں جہاں کی سیریں حاصل ہیں یہیں سے
یہ رازِ حسن یہ ہے ہیں اک موجِ تہ نشیں سے
ڈوبے ہیں ہم جہاں سے ابھرے ہیں پھر وہیں سے
خونِ وفائے بسمل، جرمِ نگاہِ قاتل
ظاہر تو ہر جگہ ہے، ثابت نہیں کہیں سے
اس چشمِ خشک سے تم چھیڑیں یہ کر رہے ہو
تڑپے نہ موج کوئی دریائے آستیں سے
انکار اور اس پر، اصرار وہ بھی ہم سے
تم مجھ کو چاہتے ہو، ثابت ہوا یہیں سے
اب کیا بتاؤں کیا کیا عالم گزر رہے ہیں
میرے دلِ حزیں پر، میرے دلِ حزیں سے

یوں آج مل رہا ہے جانِ جگر سے کوئی
جس طرح مل رہا ہو کوئی حسیں حسیں سے

اے حسنِ یار! شرم، یہ کیا انقلاب ہے
تجھ سے زیادہ درد ترا کامیاب ہے
عاشق کی بیدلی کا تغافل نہیں جواب
اس کا بس ایک جوشِ محبت جواب ہے
تیری عنایتیں کہ نہیں نذرِ جاں قبول
تیری نوازشیں کہ زمانہ خراب ہے
اے حسن اپنی حوصلہ افزائیاں تو دیکھ
مانا کہ چشمِ شوق بہت بے حجاب ہے
میں عشقِ بے نیاز ہوں، تم حسنِ بے پناہ
میرا جواب ہے، نہ تمہارا جواب ہے
میخانہ ہے اسی کا، یہ دنیا اسی کی ہے
جس تشنہ لب کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے
اُس سے دلِ تباہ کی روداد کیا کہوں
جو یہ نہ سن سکے کہ زمانہ خراب ہے

اے محتسب! نہ پھینک، مرے محتسب نہ پھینک
ظالم شراب ہے! ارے ظالم! شراب ہے

اپنے حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں
جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے

وہ لاکھ سامنے ہوں مگر اس کا کیا علاج
دل مانتا نہیں کہ نظر کامیاب ہے

میری نگاہِ شوق بھی کچھ کم نہیں مگر
پھر بھی ترا شباب، ترا ہی شباب ہے

مانوسِ اعتبارِ کرم کیوں کیا مجھے
اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے

میں اس کا آئینہ ہوں وہ ہے میرا آئینہ
میری نظر سے اسکی نظر کامیاب ہے

تنہائی فراق کے قربان جائیے
میں ہوں خیالِ یار ہے چشمِ پُر آب ہے

سرمایۂ فراق جگر آہ کچھ نہ پوچھ
اب جان ہے سو اپنے لئے خود عذاب ہے

سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے
جس حال میں ہوں، اب مجھے افسوس نہیں ہے

زاہد مگر اس رمز سے آگاہ نہیں ہے
سجدہ وہی سجدہ ہے کہ جو ننگِ جبیں ہے

جس دل میں تری یاد ہی تو صدر نشیں ہے
وہ دل بھی حسیں، اسکی محبت بھی حسیں ہے

وہ آئے ہیں اے دل ترے کہنے کا یقیں ہے
لیکن میں کروں کیا مجھے فرصت ہی نہیں ہے

جس رنگ میں دیکھو اُسے وہ پردہ نشیں ہے
اور اس پہ یہ پردہ ہے کہ پردہ ہی نہیں ہے

ہر ایک مکاں میں کوئی اس طرح مکیں ہے
پوچھو تو کہیں بھی نہیں دیکھو تو یہیں ہے

نزدیک ہو یا دور جہاں تم ہو وہیں ہے
عاشق وہی عاشق ہے جو مجبور نہیں ہے

یہ دل ہے ترا دل مجھے کیا تابِ تصرف
تو دیکھ لے جو چیز جہاں پر تھی وہیں ہے

میری ہی طرح وہ بھی نہ ہو ہجر میں بیتاب — ہر سانس کے ساتھ آج اک آوازِ حزیں ہے
اس طرح نہ ہوگا کوئی عاشق بھی تو پابند — آواز جہاں دو اُسے وہ شوخ وہیں ہے
مجھ سے کوئی پوچھے ترے ملنے کی اداؤں — دنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہیں ہے
کیا ذوق ہے کیا شوق ہے کیا ربط ہے کیا ضبط — سجدے ہی جبیں میں کبھی سجدہ میں جبیں ہے
ہر لحظہ نیا جلوہ، نئی آن، نئی شان — میری نگہِ شوق بھی کیا شوخ حسیں ہے
میں بے اثرِ جذبِ محبت سہی لیکن — کیا کم ہے وہ میرے لئے بیتاب نہیں ہے
ہیں اور ترے ہجر جفا کار کے صدقے — اس بات پہ جیتا ہوں کہ مرنے کا یقیں ہے
معلوم ہوا اس سحرِ نگاہی کے کرشمے — دنیا مرے نزدیک جو ہے بھی تو نہیں ہے
اس بزمِ حقیقت کی حقیقت میں کہوں کیا — نغموں کا تلاطم تو ہے آواز نہیں ہے

کس کس سے ترے عشق میں دامن کو چھڑاؤں
کونین ہے اور ایک مری جانِ حزیں ہے

تڑپ کر دل انہیں تڑپا رہا ہے — قیامت پہ قیامت ڈھا رہا ہے
عجب عالم سا دل پر چھا رہا ہے — تھمیں جیسے کوئی ٹھہرا رہا ہے
نگاہوں ہی نگاہوں میں لڑی ہیں — قطعہ — مرے دردِ محبت پا رہا ہے
پیامِ شوق کا اب پوچھنا کیا — برابر آ رہا ہے، جا رہا ہے
وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں — جہانِ آرزو تھرا رہا ہے
گلے مل کر، وہ رخصت ہو رہے ہیں — محبت کا زمانہ آ رہا ہے

وہ کچھ دل کو مرے سمجھا رہے ہیں　　کچھ اُن کو دل مرا سمجھا رہا ہے
وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں　　مگر دل ہی کہ ڈوبا جا رہا ہے
ازل ہی سے چمن بندِ محبت　　یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے
کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے　　وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے
طبیعت ہے کہ ٹھہری جا رہی ہے　　زمانہ ہے کہ گزرا جا رہا ہے
مری رودادِ غم وہ سن رہے ہیں　　تبسم سا لبوں پہ آ رہا ہے
سنبھل بیٹھیں حریفانِ شہادت　　زباں پر نامِ قاتل آ رہا ہے
غمِ دل کو خدا آباد رکھے　　نشاطِ سرمدی برسا رہا ہے
بڑا ہے آج اذنِ باریابی　　ہر اک پردہ اُٹھایا جا رہا ہے

جگر ہی کا نہ ہو افسانہ کوئی
در و دیوار کو حال آ رہا ہے

دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے　　آہ ہوتی ہے واہ ہوتی ہے
جو بجائے نگہ آہ ہوتی ہے　　ہائے وہ کیا نگاہ ہوتی ہے
اک نظر دل کی سمت دیکھ تو لو　　کیسی دنیا تباہ ہوتی ہے
حسنِ جاناں کی منزلوں کو نہ پوچھ　　"ہر نفس" ایک راہ ہوتی ہے
کیا خبر تھی کہ عشق کے ہاتھوں　قطعہ　ایسی حالت تباہ ہوتی ہے
سانس لیتا ہوں دم اُلجھتا ہے　　بات کرتا ہوں آہ ہوتی ہے

جو اُلٹ دیتی ہے صفیں کی صفیں — اِک شکستہ سی آہ ہوتی ہے
یوں نہ پردہ کرو خدا کے لئے — دیکھو دُنیا تباہ ہوتی ہے
وقفۂ ہوشِ عشق آہ، نہ پوچھ — فرصتِ یک نگاہ ہوتی ہے
آہ پیہم یہ تھا مدارِ حیات — وہ بھی اب گاہ گاہ ہوتی ہے
وہ بھی ہے اِک مقامِ عشق جہاں — ہر تمنّا گناہ ہوتی ہے
وہ سرہانے کھڑے ہیں اور یہاں — رخصتِ اشک و آہ ہوتی ہے
حاصلِ حُسن و عشق اُسے سمجھو — وہ جو پہلی نگاہ ہوتی ہے
ایک ایسا بھی وقت ہوتا ہے — مُسکراہٹ بھی آہ ہوتی ہے
ہم سے پوچھو، تو عشق کی بھی نگاہ — سخت کافر نگاہ ہوتی ہے
حُسن کو بھی جو رنگ دیتی ہے — ایک سادہ نگاہ ہوتی ہے

دردِ بے وجہ کو نہ چھیڑ جگر!
یہ خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے

خار کو گل، اور گل کو خار جو چاہے کرے — تو نے جو چاہا کیا، اے یار! جو چاہے کرے
مستِ بیخود، غافل و ہشیار جو چاہے کرے — شوخیِ طرزِ نگاہِ یار جو چاہے کرے
اُس نے یہ کہہ کر دیا دل کو فریبِ جستجو — حشر تک اب عاشقِ ناچار جو چاہے کرے
تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہیں — آپ کی یہ حسرتِ دیدار جو چاہے کرے
ہر حقیقت حُسن کی ہے بے نیازِ اعتراف — اب کوئی اقرار یا انکار جو چاہے کرے

عشق کی چوٹ چل ہی جاتی ہے
آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے

خوب رو لے فراق میں اے دل
کچھ طبیعت سنبھل ہی جاتی ہے

فطرتِ عشق لاکھ پتھر ہو
اک نہ اک دن پگھل ہی جاتی ہے

موجِ غم ہوں کہ موجِ بادۂ ناب
جوش کھا کر اچھل ہی جاتی ہے

ہم سے ایسی چلی، کہ بس توبہ
ورنہ آپس میں چل ہی جاتی ہے

کیا بتائیں عشقِ ظالم! کیا قیامت ڈھائے ہے
یہ سمجھ لو جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہے

جب نہیں تم، تو تصور بھی تمہارا کیا کرو
اس سے بھی کہہ دو! کہ یہ تکلیف کیوں فرمائے ہے

ہائے وہ عالم نہ پوچھو اضطرابِ عشق کا
یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش سا آ جائے ہے

کس طرف جاؤں کدھر دیکھوں کسے آواز دوں
اے ہجومِ نامرادی! جی بہت گھبرائے ہے

حُسن کتنے ہی جلوے بھی یہ کثرت نظر آئی
اللہ کو اللہ کی صورت نظر آئی

جب دل یہ نظر کی تری صورت نظر آئی
آغوشِ محبت میں محبت نظر آئی

ہو گا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی

ہر اک سے بیگانہ بن رہے ہیں کسی کی جانب نظر نہیں ہے
خبر وہ رکھتے ہیں اس طرح سے کہ جیسے کوئی خبر نہیں ہے

فراق بھی ہے، وصال بھی ہے، ہر ایک لمحہ، ہر ایک ساعت
فراق کیا ہے؟ وصال کیا ہے؟ جو کوئی پوچھے خبر نہیں ہے

تجھے نہیں مجھ سے ربط اصلاً یہ میں نے مانا، مگر یہ بتلا
مرے تصور میں کیوں ہے ایسا؟ تری توجہ اگر نہیں ہے

مری یہ ہستی، مری یہ طاقت، کہ تیز دلدوز عشق روکوں
مری طرف سے یہ کون ہے پھر؟ جو خود وہ سینہ سپر نہیں ہے

شباب میکش، جمال میکش، خیال میکش، نگاہ میکش
خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی؟ انھیں خود اپنی خبر نہیں ہے

نظر سے حسن وہ عالم گرا دیا تو نے | نہ جانے کون سا عالم دکھا دیا تو نے
جواب حسن طلب اور کیا دیا تو نے | تمام شکر و شکایت بنا دیا تو نے
فنائے عشق کو رنگ بقا دیا تو نے | حیات و موت کو یکجا دکھا دیا تو نے
ہزار جان گرامی فدا بایں نسبت | کہ میری ذات سے اپنا پتا دیا تو نے
یہ کیا کیا؟ کہ عطا کر کے عشق لا محدود | مجھے حریف مقابل بنا دیا تو نے
جمال حسن کی ہلکی سی لہر دوڑا کر | نفس نفس کو مرے جگمگا دیا تو نے
ہزار دل کو مٹا کر، دیا مجھے اک درد | اسی اک درد کو پھر دل بنا دیا تو نے
خوشا وہ درد محبت نہ ہے وہ دل کہ جسے | ذرا سکون ہوا، گدگدا دیا تو نے
ہر ایک دل کو عطا کر کے مدعائے حیات | جگر کو اک دل بے مدعا دیا تو نے

شوقِ گستاخ کا چہرے پہ اثر دیکھ نہ لے [۲] ڈر رہا ہوں کہ وہ سفّاک اِدھر دیکھ نہ لے
اب تجھے خلوت میں بھی اُٹھتی نہیں چہرے سے نقاب ڈر یہ ہے کوئی پسِ پردۂ در دیکھ نہ لے
عاشقوں کی نگہِ شوق کہیں تھکتی ہے دیکھتے ہی رہیں اُن کو، وہ اگر دیکھ نہ لے
اب نظر تاک اُٹھے، عزم نظر کے ہمراہ دل دھڑکتا ہے کہ وہ شوخ اِدھر دیکھ نہ لے

بس تو اِس چھپنے کی حد تک کہ یہ اب ضد ہی اُٹھیں
حسن کو عشق کی صورت میں جگر دیکھ نہ لے

دل کو آنکھوں سے جو خالی کوئی کر دیتا ہے ساقی عیب پھر اُس جام کو بھر دیتا ہے
مست ہوتا ہے، یہ بیخود مجھے کر دیتا ہے درد اُٹھ کر، تری آمد کی خبر دیتا ہے
ٹوٹے ٹانکے جو دیے تھے، وہ مگر ٹوٹ گئے آج پھر خون ہر اک زخمِ جگر دیتا ہے

دیکھ سکتا نہیں ساقی مری محرومی کو
جام خالی نہیں ہوتا ہے کہ بھر دیتا ہے

وہ کافر آشنا، نا آشنا، یوں بھی ہے اور یوں بھی
ہماری ابتدا، تا انتہا، یوں بھی ہے اور یوں بھی!
تعجب کیا؟ اگر رسمِ وفا یوں بھی ہے اور یوں بھی
کہ حسن و عشق کا ہر مسئلہ، یوں بھی ہے اور یوں بھی!
کہیں ذرّہ، کہیں صحرا، کہیں قطرہ، کہیں دریا
محبت اور اس کا سلسلہ، یوں بھی ہے اور یوں بھی!

وہ مجھ سے پوچھتے ہیں، ایک مقصد میری ہستی کا
بتاؤں کیا؟ کہ میرا مدعا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

ہم اُن سے کیا کہیں؟ وہ جانیں انکی مصلحت جانے
ہمارا حالِ دل تو، برملا، یوں بھی ہے اور یوں بھی!

نہ پالینا ترا آساں، نہ کھو دینا ترا، ممکن
محبت میں یہ جانِ مبتلا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

لگا دے آگ، او برقِ تجلی، دیکھتی کیا ہے
نگاہِ شوق، ظالم، نارسا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

الٰہی کس طرح عقل و جنوں کو ایک جا کر لوں
کہ منشائے نگاہِ عشوہ زا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

مجازی[1] سے جگر کہہ دو! ارے او عقل کے دشمن
مُقِر ہو یا کوئی منکر، خدا یوں بھی ہے اور یوں بھی

ترے جمالِ حقیقت کی تاب ہی نہ ہوئی
ہزار بار نگہ کی مگر کبھی نہ ہوئی

تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی
وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی

کہاں وہ شوخ، ملاقات خود سے بھی نہ ہوئی
بس اک بار ہوئی، اور پھر کبھی نہ ہوئی

وہ ہم ہیں اہلِ محبت کہ جان سے دل سے
بہت بخار اُٹھے آنکھ شبنمی نہ ہوئی

---

[1] مجازی ایک لکھنوی منکر خدا کا تخلص ہے جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے میرے دوست بھی ہیں (جگر)

ٹھہر ٹھہر دلِ بیتاب پیار تو کر لوں / اب اِس کے بعد ملاقات پھر ہوئی نہ ہوئی

میرے خیال سے بھی آہ مجھکو بُعد رہا / ہزار طرح سے چاہا برابری نہ ہوئی

ہم اپنی رندی و طاعت پہ کیا کہ ناز کریں / قبولِ حضرتِ سلطاں ہوئی ہوئی نہ ہوئی

کوئی بڑھے نہ بڑھے ہم تو جان دیتے ہیں / پھر ایسی چشمِ توجہ ہوئی ہوئی نہ ہوئی

تمام حرف و حکایت، تمام دیدہ و دل / اِس اہتمام پہ بھی شرحِ عاشقی نہ ہوئی

فسردہ خاطریٔ عشق، اے معاذ اللہ / خیالِ یار سے بھی کچھ شگفتگی نہ ہوئی

تری نگاہِ کرم کو بھی آزما دیکھا / اذیتوں میں نہ ہوتی تھی کچھ کمی نہ ہوئی

کسی کی مست نگاہی نے ہاتھ تھام لیا / شریکِ حال جہاں میری بیخودی نہ ہوئی

صبا! یہ اُن سے ہمارا پیام کہہ دینا / گئے ہو جب سے یہ صبح و شام ہی نہ ہوئی

وہ کچھ سہی نہ سہی پھر بھی زاہدِ ناداں / بڑے بڑوں سے محبت میں کافری نہ ہوئی

اِدھر سے بھی ہے سوا کچھ اُدھر کی مجبوری / کہ ہم نے آہ تو کی اُن سے آہ بھی نہ ہوئی

خیالِ یار سلامت تجھے خدا رکھے / ترے بغیر کبھی گھر میں روشنی نہ ہوئی

گئے تھے ہم بھی جگر جلوہ گاہِ جاناں میں
وہ پوچھتے ہی رہے ہم سے بات بھی نہ ہوئی

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے / اور چاہیں کہ چھپا لیں تو چھپائے نہ بنے

ہائے بیچارگیٔ عشق کہ اس محفل میں / سر جھکائے نہ بنے آنکھ اٹھائے نہ بنے

یہ سمجھ لو کہ غمِ عشق کی تکمیل ہوئی / ہوش میں آکے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے

کس قدر حسن بھی مجبورِ کشاکش ہے کہ آہ — منہ چھپائے نہ بنے سامنے آئے نہ بنے

ہائے وہ عالمِ پُرشوق کہ جس وقت جگر!
اُس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے

یادِ جاناں بھی عجب روح فزا آتی ہے — سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے
میری جانب نگہِ ہوش رُبا آتی ہے — پھر وہی ظالم و مظلوم نما آتی ہے
جا بھی اے ناصحِ ناداں نہ کر اسکو بدنام — اِن جفاؤں سے تو خوشبوئے وفا آتی ہے
مرگِ ناکامِ محبت، مری تقصیر معاف — زیست بن بن کے مرے حق میں قضا آتی ہے
نہیں معلوم وہ خود ہیں کہ محبت اُنکی — پاس ہی سے کوئی بیتاب صدا آتی ہے
بس تو اِس سادگیِ حسن پہ اُس کے صدقے — نہ جفا آتی ہے جس کو نہ وفا آتی ہے

ہائے کیا چیز ہے یہ تکملۂ حسن و شباب
اپنی صورت سے بھی اب اُن کو حیا آتی ہے

کون یہ جانِ تمنا عشق کی منزل میں ہے — جو تمنا دل سے نکلی پھر جو دیکھا دل میں ہے
وہ کچھ اِس صورت سے آئے جلوہ دکھلاتے ہوئے — میں یہ سمجھا وسعتِ کونین میرے دل میں ہے
شاید اُٹھنے ہی کو ہے پردہ رخِ مقصود سے — آج حاصل کی سی عزت سعیِ لاحاصل میں ہے
اے میں قرباں واہ کیا کہنا ترا اعجازِ عشق — اِک سکونِ مستقل بھی اضطرابِ دل میں ہے
اُس شہیدِ ناز کے کیا خوں بہا کا پوچھنا — جس کی روداد مکمل دامنِ قاتل میں ہے
اُٹھ گیا آخر محبت کا بھی پردہ اُٹھ گیا — اب نہ میرے دل میں حسرت ہے نہ اُن کے دل میں ہے

کیا کہیں خونِ دو عالم سے بھی اب بجھتی ہے پیاس ۔۔۔ خونِ بسمل کی حرارت خنجرِ قاتل میں ہے
میں تو اب بے غریقِ موجِ طوفانِ خیزِ عشق ۔۔۔ ڈوب مرنے کی تمنا سینۂ ساحل میں ہے
دیکھیے کرتی ہے کیا کیا اُنکی نظروں میں حقیر ۔۔۔ یہ جو ظالم، اِک لہو کی بوند اب تک دل میں ہے

بیخودی منزل سے بھی کوسوں نکل آئی جگر!
جستجو آوارہ اب تک جادۂ منزل میں ہے

آئے زباں پہ رازِ محبت محال ہے ۔۔۔ تم سے مجھے عزیز، تمھارا خیال ہے
دل تھا تری خیال سے پہلے چمن چمن ۔۔۔ اب بھی روش روش ہے مگر پائمال ہے
کمبخت اِس جنونِ محبت کو کیا کروں ۔۔۔ میرا خیال ہے نہ تمھارا خیال ہے

آنکھیں تو کھول، سر تو اُٹھا، دیکھ تو ذرا
کب سے جگر! وہ چاند سا چہرہ نڈھال ہے

محبت آپ اپنی ترجماں ہے ۔۔۔ یہی خود چشم و دل، لفظ و بیاں ہے
نگاہوں میں بہارِ جاوداں ہے ۔۔۔ جہاں ہیں ہم، وہیں اب آشیاں ہے
محبت، دونوں جانب مہرباں ہے ۔۔۔ کہ ہم اُس سے، وہ ہم سے بدگماں ہے
وہ کب سے مضطرب ہیں اے غمِ عشق ۔۔۔ خدا جانے تیری غیرت کہاں ہے
ہماری رفعتوں کا پوچھنا کیا ۔۔۔ جہاں ہم پاؤں رکھ دیں آسماں ہے
کوئی آواز ہی دے، گم شدہ دل ۔۔۔ کہاں ہے، او مرے یوسف! کہاں ہے
اگر تو ہے، تو اے جانِ دو عالم ۔۔۔ یہاں ہر شے جواں ہے جاوداں ہے

مرے سوزِ دروں کے مل رہے ہیں — "بحمداللہ کہ دل آتش بجاں ہے
تماشا دیدنی ہے، دیکھ جاؤ — زبانِ شوق و گلبانگ فغاں ہے
مبارک یاد، اے جذبِ محبت — انھیں، اپنے پر اب، میرا گماں ہے
کسی کو اِک نظر ہی دیکھ تو لیں — اب اتنی بھی ہمیں جرأت کہاں ہے
ترے نقشِ قدم کا ذرہ ذرہ — عبادت گاہِ جانِ عاشقاں ہے
الٰہی، خیر کرنا! دیر سی پھر — بہت مضطر نگاہِ رازداں ہے
پھنکا جاتا ہے دل جس سوزِ غم سے — جہنم میں یہ چنگاری کہاں ہے

جو پڑھ سکتا ہے، تو پڑھ لے غمِ دل
کہ اِن نظروں میں آج اِک داستاں ہے

کچھ اِس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے — جب تک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے
ایمان و کفر اور نہ دنیا و دیں رہے — اے عشق! شاد باش کہ تنہا ہمیں رہے
عالم جب ایک حال پہ قائم نہیں رہے — کیا خاک اعتبارِ نگاہ و یقیں رہے
میری زباں پہ شکوۂ درد آفریں رہے — شاید مرے حواس ٹھکانے نہیں رہے
جب تک الٰہی! جسم میں جانِ حزیں رہے — نظریں مری جوان رہیں دل حسیں رہے
یارب! کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو — دستِ جنوں رہے نہ رہے آستیں رہے
تا چند جوشِ عشق میں دل کی حفاظتیں — میری بلا سے اب وہ جنونی کہیں رہے
جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر — اے عشق! ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے

مجھ کو نہیں قبول دو عالم کی وسعتیں — قسمت میں کوئے یار کی دو گز زمیں رہے
اے عشق نالہ کش! تیری غیرت کو کیا ہوا — ہے ہے عرق عرق وہ تنِ نازنیں رہے
دردِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے — حیراں ہوں میں کہ پھر بھی تم اتنے حسیں رہے
اللہ ری چشمِ یار کی معجز بیانیاں — ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے
ظالم اُٹھا تو پردہ وہم و گمان و فکر — کیا سامنے وہ مرحلہ ہائے یقیں رہے
ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر میں ہے — محدودِ سجدہ کیا مرا ذوقِ جبیں رہے
کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں — اچھا یہ ہے وہ ننگِ محبت یہیں رہے
سر دادگانِ عشق و محبت کی کیا کمی — قاتل کی تیغ تیز، خدا کی زمیں رہے

اس عشق کی تلافیٔ مافات دیکھنا
رونے کی حسرتیں ہیں جب آنسو نہیں رہے

دیکھ لے تو بھی کہ اب خیر نہیں جانوں کی — آج ہولی ہے ترے سوختہ سامانوں کی
چاہتے ہیں نہ رہے حد تعین کوئی — ہائے معصوم ضدیں عشق کے دیوانوں کی
بزمِ ساقی میں ذرا دیکھ تو چل کر زاہد — کیا بہاریں ہیں چھلکتے ہوئے پیمانوں کی
تیری نظروں کے تصدق تری آنکھوں کے نثار — انھیں پیمانوں سے ساقی! انھیں میخانوں کی
ابھی تکمیل کو پہنچی نہیں تعمیرِ جنوں — ابھی چلتی رہے دیوانوں سے دیوانوں کی
سنتے جسے کہتے ہیں ارمانوں کا پورا ہونا — میرے نزدیک یہی موت ہے ارمانوں کی
ہر طرف چھا گئے ارمانِ محبت بن کر — مجھ سے اچھی رہی قسمت مرے افسانوں کی

عشق کا ہاتھ سے پیمان نہ جانے پائے
جان جائے مگر ایمان نہ جانے پائے

یہ نہیں دل کسی عنوان نہ جانے پائے
مگر اتنا ہے کہ آسان نہ جانے پائے

عشق کا رازِ جنوں عشق کی حد ہی تو ہے
دل گیا ہے تو گریبان نہ جانے پائے

بات تو جب ہے کہ تو لاکھ اُدھر رُخ نہ کرے
دل ہی بچ کر کوئی پیکان نہ جانے پائے

صاف رکھ جان و دل و جسم کو آئینہ صفت
کہ وہ آئے تو پشیمان نہ جانے پائے

دل کو اب ہے یہ ضد حسن کے ہر جلوے کی
گھر میں جب آئے وہ مہمان نہ جانے پائے

ہوش میں آ دلِ دیوانہ کہ تیری ہی طرح
کوئی حیران پریشان نہ جانے پائے

داستانِ غمِ ہستی کو مکمل کر لے
ایک بھی عشق کا عنوان نہ جانے پائے

تیری محفل میں ہے اک سنگِ محبت بھی ترا
دیکھنا ہو کے پشیمان نہ جانے پائے

اشک ہیں حاصلِ غم، غم ہے ودیعت اُس کی
باہر آنکھوں سے یہ طوفان نہ جانے پائے

حسن سرگرمِ نوازش ہے مگر اے غمِ دل
رائگاں عشق کا احسان نہ جانے پائے

جان جائے کہ رہے دیکھ مری جانِ جگر!
عشق کی شان، تری آن نہ جانے پائے

اک لفظِ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

یہ کس کا تصور ہے؟ یہ کس کا فسانہ ہے
جو اشک ہے آنکھوں میں تسبیح کا دانا ہے

دل سنگِ ملامت کا ہر چند نشانہ ہے
دل پھر بھی مرا دل ہے، دل ہی تو زمانہ ہے

ہم عشق کے ماروں کا اتنا ہی فسانہ ہے
رونے کو نہیں کوئی ہنسنے کو زمانہ ہے

وہ اور وفا دشمن! مانیں گے نہ مانا ہے — سب دل کی شرارت ہے آنکھوں کا بہانا ہے

شاعر ہوں میں شاعر ہوں میرا ہی زمانا ہے — فطرت مرا آئینہ، قدرت مرا شانا ہے

جو اُن پہ گزرتی ہے کس نے اُسے جانا ہے — اپنی ہی مصیبت ہے، اپنا ہی فسانا ہے

کیا حسن نے سمجھا ہے؟ کیا عشق نے جانا ہے — ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانا ہے

آغازِ محبت ہے، آنا ہے نہ جانا ہے — اشکوں کی حکومت ہے، آہوں کا زمانا ہے

آنکھوں میں نمی سی ہے، چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں — نازک سی نگاہوں میں نازک سا فسانا ہے

ہم درد بہ دل نالاں، وہ دست بہ دل حیراں — اے عشق! تو کیا ظالم! تیرا ہی زمانا ہے

یا وہ تھے خفا ہم سے، یا ہم ہیں خفا اُن سے — کل اُن کا زمانا تھا، آج اپنا زمانا ہے

اے عشق جنوں پیشہ! ہاں عشق جنوں پیشہ — آج ایک ستمگر کو ہنس ہنس کے رُلانا ہے

تھوڑی سی اجازت بھی، اے بزم گہِ ہستی — آنکلے ہیں، دم بھر کو رونا ہے رُلانا ہے

یہ عشق نہیں آساں، اتنا ہی سمجھ لیجے — اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے[1]

خود حسن و شباب اُن کا کیا کم ہے رقیب اپنا — جب دیکھیے اب وہ ہیں، آئینہ ہے، شانا ہے

ہم عشق مجسم ہیں، لب تشنہ و مستسقی — دریا کو طلب کیسی؟ دریا کو رُلانا ہے

تصویر کے دو رُخ ہیں جاں اور غمِ جاناں — اک نقش چھپانا ہے اک نقش دکھانا ہے

یہ حسن و جمال اُن کا، یہ عشق و شباب اپنا — جینے کی تمنا ہے، مرنے کا زمانا ہے

مجھ کو اسی دھن میں ہے ہر لحظہ بسر کرنا — اب آئے، وہ اب آئے، لازم اُنھیں آنا ہے

---

[1] اگرچہ اس شعر کا اندازِ بیان لکھنوی ہے لیکن مفہوم شعری و تغزل کے ساتھ نہایت درجہ نازک (جگر)

خودداری محرومی، محرومی خودداری — اب دل کو خدا رکھے، اب دل کا زمانہ ہے
اشکوں کے تبسم میں، آہوں کے ترنم میں — معصوم محبت کا معصوم فسانہ ہے
آنسو تو بہت سے ہیں آنکھوں میں جگر لیکن
بندھ جائے سو موتی ہے رہ جائے سو دانا ہے

عشق ہی نصف الحقیقت کیوں پریشاں کیجیے — یعنی ہم پر رحم کر کے خود پہ احساں کیجیے
کب تک آخر مشکلات شوق آساں کیجیے — اب محبت کو محبت ہی پہ قرباں کیجیے
چاہتا ہے عشق راز حسن عریاں کیجیے — یعنی خود کھو جائیے ان کو نمایاں کیجیے
آپ کے دشمن رہیں وقف خلش صرف تپش — آپ کیوں غمخواری بیمار ہجراں کیجیے
حسن کی رسوائیاں بھی حسن سے کچھ کم نہیں — ہو سکے تو مثل بوئے گل پریشاں کیجیے
پھر جنوں سامانیوں میں کچھ کمی سی آچلی — آج پھر سے ہم مزاج حسن جاناں کیجیے
آپ کیوں شرمائیے کیا آپ کا دامن ہی پاک — ہم گنہگار محبت ہیں پشیماں کیجیے
دل پہ جو گزری سو گزری عشق کی ضد ہی سہی — آج اتنا چھیڑیے ان کو کہ گریاں کیجیے
سرسری اک اک نگاہ بے محابا ڈال کر — عمر بھر کے واسطے ممنون احساں کیجیے
اللہ اللہ سنتے ہیں تم ہو رگ جاں سے قریب — اب تو ہر نشتر کو پیوست رگ جاں کیجیے
شان رحمت کو نہیں درکار کوئی کشمکش
احتیاجاً اکتساب کفر و ایماں کیجیے

خاطر عشق الم کوش ہوئی جاتی ہے — زندگی خواب فراموش ہوئی جاتی ہے

حیرتِ جلوہ، ہم آغوش ہوئی جاتی ہے ۔۔۔ آنکھ نظارہ فراموش ہوئی جاتی ہے

شوقِ چالاک کہاں، جرأتِ بیباک کہاں ۔۔۔ یار آغوش در آغوش ہوئی جاتی ہے

وہ خلش جس سے تھا ہنگامۂ ہستی برپا ۔۔۔ وقفِ بیتابیٔ خاموش ہوئی جاتی ہے

وہی مستی کہ سماتی ہی نہ تھی عالم میں ۔۔۔ غرق اک ساغرِ سرجوش ہوئی جاتی ہے

وہی اک شورشِ دل تنگ تھی جس کو زمیں ۔۔۔ وہی اب معتکفِ ہوش ہوئی جاتی ہے

ایک منظر ہے کہ آنکھوں میں کھنچا آتا ہے ۔۔۔ ایک دنیا ہے کہ روپوش ہوئی جاتی ہے

ایک جانب نگہِ خاص سے ہے اذنِ جنوں ۔۔۔ اک طرف مرحمتِ ہوش ہوئی جاتی ہے

نگہِ شوق کہاں ہے؟ یہ تماشا کیا ہے! ۔۔۔ جیسے ہر شے لبِ خاموش ہوئی جاتی ہے

ہائے وہ سرخوشیٔ عشق کہ تھی جزوِ حیات ۔۔۔ کس قدر زود فراموش ہوئی جاتی ہے

یا تو ہے موت کہ تھی خادمۂ زیست کبھی ۔۔۔ یا دہی ہے کہ ہم آغوش ہوئی جاتی ہے

اُف وہ پروانے کہ سمٹے ہی چلے آتے تھے ۔۔۔ ہائے وہ شمع کہ خاموش ہوئی جاتی ہے

عشق کی قسمتِ محروم، الٰہی توبہ ۔۔۔ یادِ جاناں بھی فراموش ہوئی جاتی ہے

بال کھولے ہوئے یہ کون چلا آتا ہے ۔۔۔ بزمِ دل محشرِ خاموش ہوئی جاتی ہے

مجھ گنہگار کو شکوہ ہے تری رحمت کا ۔۔۔ کیوں خطا بخش خطا پوش ہوئی جاتی ہے

یادِ ایام کہ جب پوچھتے کہتے تھے جگر!

دعوتِ چشم و لب و گوش ہوئی جاتی ہے

دل میں ماتم ہو نزع کا ہنگام ہے ۔۔۔ کچھ سحر کا وقت ہے کچھ شام ہے

عشق ہی خود عشق کا انعام ہے — واہ کیا آغاز کیا انجام ہے

حسن ہے، نغمہ ہے، مے ہے جام ہے — اب کہاں اے گردشِ ایام ہے

کیا اسی کو کہتے ہیں آئینِ حسن — جو تمہارا ہو گیا ناکام ہے

پینے والے ایک ہی دو ہوں گے تو ہوں — مفت سارا مے کدہ بدنام ہے

درد و غم دل کی طبیعت بن چکے — اب یہاں آرام ہی آرام ہے

عشق کے ہاتھوں تری سرکار سے — مل گیا جو کچھ وہی انعام ہے

پی رہا ہوں آنکھوں آنکھوں میں شراب — اب نہ شیشہ ہے نہ کوئی جام ہے

دیکھ لینا عشق کی بھی نخوتیں — حسن کی یہ ہم مزاجی عام ہے

وہ سراپا ناز ان سے کیا گلہ — تجھ سے شکوہ گردشِ ایام ہے

ہوشیار او شکوہ سنج زندگی — زندگی، انجام ہی انجام ہے

حسن سے ہیں عشق کی رسوائیاں — بادہ جب تک ہی فروغِ جام ہے

کیجیے کیا دورِ شرح زندگی — کچھ سحر کچھ دوپہر کچھ شام ہے

ایک بوسہ اس لبِ جاں بخش کا — عمر بھر کے واسطے انعام ہے

ہوشیار، او کامیابِ زندگی — زندگی ناکامیوں کا نام ہے

کیا جگر سے آپ بھی واقف نہیں

ایک ہی تو رندِ مے آشام ہے

آئینے میں عشق کی تاثیر پنہاں دیکھیے — میری صورت اپنی صورت میں نمایاں دیکھیے

۸۴

بے تکلف ہر طرف تصویرِ جاناں دیکھئے
میری آنکھوں سے جمالِ شامِ ہجراں دیکھئے

دل کی ہستی ہستیٔ از یک شیشۂ ساعت نہیں
اس میں جو کچھ دیکھئے، تقویمِ دوراں دیکھئے

پھر وہ ہم سے خفا ہے کیا کہئے
زندگی بے حیا ہے، کیا کہئے

دل بھلا یا بُرا ہے کیا کہئے
آپ کا نقشِ پا ہے کیا کہئے

چاندنی ہے ہوا ہے کیا کہئے
مفلسی کیا بلا ہے کیا کہئے

بندگی جس کی ہے فقط رونا
وہ ہمارا خدا ہے کیا کہئے

انتہا کے ہیں عشق میں صدمے
اور ابھی ابتدا ہے کیا کہئے

شوقِ بے انتہا کے پردے میں
کون ہنگامہ زا ہے کیا کہئے

حسن جتنا ہے جنگ جو ظالم
عشق اس سے سوا ہے کیا کہئے

دل میں پنہاں ہے اک لطیف خلش
صورتِ التجا ہے کیا کہئے

پھر وہی، سرِ حشر ہیں، وہی جلوے
پھر وہی سامنا ہے کیا کہئے

ابھی پابند ہے، ابھی آزاد
عشق کا دل بھی کیا ہے کیا کہئے

پردہ رکھ لیتے ہم زمانے سے
آنکھ پہچانتا ہے، کیا کہئے

پوچھتے ہیں مزاجِ دل ہم سے
ایک ہی خود نما ہے کیا کہئے

شورشِ بیخودیٔ شوق نہ پوچھ
کس طرف کی ہوا ہے کیا کہئے

عشق تو عشق، حسن سے بیزار
دل کو کیا ہو گیا ہے کیا کہئے

شوق سر تا قدم نگاہ و زباں — وہ مجسم حیا ہے کیا کہیے

آج حالِ دلِ تباہ اُن سے!
ہم نے کیونکر سنا ہے کیا کہیے

کچھ جو پشیمانِ جفا ہو گئے — اور وہ گھبرا کے خفا ہو گئے
نالۂ دل خاک رسا ہو گئے (قطعہ) — آئے وہ آتے ہی جدا ہو گئے
کچھ نہ سُنا اور یونہیں چل دیئے — کچھ نہ کہا اور خفا ہو گئے
اور بھی اس عشق میں کچھ سانحات — دل کی ہلاکت کے سوا ہو گئے
اُن کا اُدھر گوشۂ دامن بڑھا — تنگ اِدھر بندِ قبا ہو گئے
وہ بھی جو تھے منکرِ آئینِ عشق — سنتے ہیں پابندِ وفا ہو گئے
ہم سے نظر پھیر لی اُس شوخ نے — ہم بھی ہیں انسان خفا ہو گئے
ہم کو گرفتارِ بلا دیکھ کر — وہ بھی گرفتارِ بلا ہو گئے
کچھ مرے چہرے سے کھلے رازِ عشق — کچھ تو نظر ہی سے ادا ہو گئے
ڈھونڈھ کے اب لائیے کیونکر انھیں — ہائے وہ نالے کہ رسا ہو گئے

چپ ہیں وہ یوں سن کے مری عرضِ شوق
جیسے کہ سچ مچ ہی خفا ہو گئے

سب پہ تو مہربان ہے پیارے — کچھ ہمارا بھی دھیان ہے پیارے
آ کہ تجھ بن بہت دنوں سے یہ دل — ایک سونا مکان ہے پیارے

تو جہاں ناز سے قدم رکھدے — وہ زمیں آسمان ہے پیارے
مختصر ہے یہ شوق کی روداد — ہر نفس داستان ہے پیارے
اپنے جی میں ذرا تو کر انصاف — کب سے نامہربان ہے پیارے
صبر ٹوٹے ہوئے دلوں کا نہ لے — تو یونہی دھان پان ہے پیارے
ہم سے جو ہو سکا سو کر گزرے — اب ترا امتحان ہے پیارے
مجھ میں تجھ میں تو کوئی فرق نہیں — عشق کیوں درمیان ہے پیارے

کیا کہے حالِ دلِ غریب جگر
ٹوٹی پھوٹی زبان ہے پیارے

جب سے تو مہربان ہے پیارے — اور دل بدگمان ہے پیارے
اس کی باتوں میں تو نہ آجانا — عشق جادو بیان ہے پیارے
تو کہاں؟ یہ غریب خانہ کہاں — وہم ہے یا گمان ہے پیارے
صدقے تیری نوازشوں کے مگر — سخت تر امتحان ہے پیارے
ان دنوں دل کے رنگ ڈھنگ نہ پوچھ — کچھ عجب آن بان ہے پیارے
سچ بتا اس میں کوئی بات بھی ہے — یا یونہیں مہربان ہے پیارے
وہ بھی ہلکی سی اک نگاہِ کرم — دل بہت ناتوان ہے پیارے

تیرا دیوانہ غریب جگر!
فخرِ ہندوستان[له] ہے پیارے

له اس اعلان نون کو میں جائز سمجھتا ہوں (جگر)

عشق کی داستان ہے پیارے — اپنی اپنی زبان ہے پیارے
کل تک اے درد! یہ تپاک نہ تھا — آج کیوں مہربان ہے پیارے
سایۂ عشق سے خدا ہی بچائے — ایک ہی قہرمان ہے پیارے
اس کو کیا کیجئے جو لب نہ کھلیں — یوں تو منہ میں زبان ہے پیارے
یہ تغافل بھی ہے نگہ آمیز — اس ادا میں بھی ایک شان ہے پیارے
جس نے اے دل دیا ہے اپنا غم — اُس سے تو بدگمان ہے پیارے
دل کا عالم نگاہ کیا جانے — یہ تو صرف اک زبان ہے پیارے
میرے اشکوں میں اہتمام نہ دیکھ — عاشقی کی زبان ہے پیارے
ہم زمانے سے انتقام تو لیں — اک حسیں درمیان ہے پیارے
عشق کی ایک ایک نادانی — علم و حکمت کی جان ہے پیارے
تو نہیں میں ہوں میں نہیں تو ہے — اب کچھ ایسا گمان ہے پیارے
کہنے سننے میں جو نہیں آتی — وہ بھی اک داستان ہے پیارے
رکھ قدم پھونک پھونک کر ناداں — ذرے ذرے میں جان ہے پیارے
کس کو دیکھے ہی دل کو چوٹ لگی — کیوں یہ اُتری کمان ہے پیارے
تیری برہم خرامیوں کی قسم — دل بہت سخت جان ہے پیارے

ہاں ترے عہد میں جگر کے سوا
ہر کوئی شادمان ہے پیارے

درد بڑھ کر فغاں نہ ہو جائے — یہ زمیں آسماں نہ ہو جائے

پھر کوئی مہرباں نہ ہو جائے — سعیِ غم رائگاں نہ ہو جائے

دور ہے عرصۂ عدم آباد — کم کوئی ناتواں نہ ہو جائے

دل کو لے لیجئے جو لینا ہے — پھر یہ سودا گراں نہ ہو جائے

آسماں کو نہ دیکھئے تن کر — پھر یہ بوڑھا جواں نہ ہو جائے

ڈر ہے مجھ کو کہ میری عرضِ سکوت — آپ ہی کی زباں نہ ہو جائے

دردِ دل کیا ہی میہماں ہے اگر — اشک بن کر رواں نہ ہو جائے

موت سے ڈر نہیں مگر ہے یہ وہم — عشق بے خانماں نہ ہو جائے

دل میں ڈوبا ہوا ہے جو نشتر — میرے دل کی زباں نہ ہو جائے

قسمتوں سے ملا ہے دردِ حبیب — کہیں آرامِ جاں نہ ہو جائے

عشق ابھی خوشی ہی کون کرے — عشق اگر ناگہاں نہ ہو جائے

آہ کیجئے مگر لطیف ترین — لب تک آکر دھواں نہ ہو جائے

عشق کر ہی چکا تھا اپنا کام — دل اگر درمیاں نہ ہو جائے

عشق میں جتنے بدگماں ہیں ہم — دل کوئی بدگماں نہ ہو جائے

آہ، اک تیر ہی سہی، لیکن — آشنائے کماں نہ ہو جائے

خاک سیرابیِ بہار، اگر — آنکھ شبنم فشاں نہ ہو جائے

حسن کا آئینہ تو دل ہے مگر — یہی خود درمیاں نہ ہو جائے

تا کجا انتظارِ خلد جگر!
حور اک دن یہاں نہ ہو جائے

ادا جو آئے وہ بے عیب بے قصور آئے
خدا وہ دن نہ کرے آپ کو غرور آئے

نکل کے عشق جو حدِ ادب سے دور آئے
ادھر سے کعبہ چلے اس طرف سے طور آئے

ذرا تو آنکھ کھلے، عقل میں شعور آئے
ہم اپنے آپ میں آئیں تو وہ ضرور آئے

جسے ذرا بھی غمِ عشق پر غرور آئے
ترے حضور نہ جائے مرے حضور آئے

چلوں میں راہِ محبت میں بے نیازانہ
مری بلا سے اگر وہ بھی ناصبور آئے

خود اپنی منزلِ دل محو ہوتی جاتی ہے
نظر میں جب سے مقاماتِ دور دور آئے

پئیں وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن
ہمیں سرور نہ آئے، انھیں سرور آئے

ہزار سجدے کرے رات رات بھر زاہد
جو دل ہی صاف نہ ہو کیا جبیں پہ نور آئے

زمانے تا ترے گلیوں کی خاک چھانی ہے
مری نگاہ میں کیا جلوہ گاہِ طور آئے

کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کہنا
کہ جیسے حافظِ شیراز چور چور آئے

الٰہی جذبِ محبت کی بخشدے تقصیر
وہ آج دستِ بدل بختِ ناصبور آئے

مری طرف سے بھی اے کاروانِ شوق سلام
انھیں جو راہِ طلب میں مقامِ طور آئے

انھیں ہی عشق سے چشمک مگر یہ کون کہے
وہ خود حسین ہیں انکو نہ کیوں غرور آئے

عجیب جبر ہے میخانۂ تصور بھی
یہاں سے ہوش میں پہنچے وہاں سے چور آئے

نظر ہی اپنی نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا
سزا ملی ہے کہ ہم کیوں ترے حضور آئے

اجل جو آتی ہے آئے، مگر اسی صورت — کہ جیسے زلفِ پریشاں و رنگِ چہرہ آئے
مجاز ہو کہ حقیقت، یہاں تو حال یہ ہے — ترے حضور سے اُٹھے، ترے حضور آئے
درِ مے سے ہم کو ملا ہے سکونِ دل کیا کیا — جہاں سے لوگ بہت ہو کے ناصبور آئے

ہزار بار لکھے تو بہانہ، نامۂ شوق
ترے بلائے جگر آئے، وہ ضرور آئے

پسینہ محبت کا بن کر نہ کیوں لہو آئے — ارے غضب کہ یونہیں پا برہنہ تو آئے
کرے نہ کام جو بلبل کا نالۂ خونیں — نہ غنچے نیند سے چونکیں، نہ رنگ و بو آئے

دیا ہے عشق نے وہ مرتبہ بحمد اللہ
کہ آنکھ تک نہ اٹھاؤں اگرچہ تو آئے

کیا گھڑی ہے کیا سماں ہے کس غضب کا جوش ہے — عشق کی بیتابیاں ہیں، حسن کا آغوش ہے
وجد میں ہے مطربِ غم، کل فضا خاموش ہے — تیرتے پھرتے ہیں نغمے، بزمِ جاں مدہوش ہے
کیسے کیسے مست صہبائے محبت کٹ مرے — او نشیلی آنکھ والے! کچھ تجھے بھی ہوش ہے

ایک دل ہی سینۂ عاشق میں لیکن الاماں
ایک قطرہ ہی، مگر ایسا کہ دریا نوش ہے

دیدۂ یار بھی پُرنم ہے خدا خیر کرے — آج کچھ اور ہی عالم ہے خدا خیر کرے
حشر میں حشر کا عالم ہے خدا خیر کرے — چشمکِ خلد و جہنم ہے خدا خیر کرے
اس طرف غیرتِ خورشید جمال اور ادھر — زعمِ خودداریِ شبنم ہے خدا خیر کرے

دل ہی پہلو میں کہ مچلا ہی چلا جاتا ہے / اور وہ خود بھی برہم ہی خدا خیر کرے
راز بیتابیٔ دل کچھ نہیں کھلتا لیکن / کل ہی دو رو آج بہت کم ہی خدا خیر کرے

حسن ہر گام پہ ہے سایہ فگن، دام فگن
عشق آزادِ دو عالم ہے خدا خیر کرے

عاشقی امتیاز کیا جانے / فرق ناز و نیاز کیا جانے
نگہ شوق کی ہے سب تحریک / حسن تمہیدِ ناز کیا جانے
ہم سمجھتے ہیں رازِ رامش و رنگ / زاہد پاک باز کیا جانے
ناخنِ عشق کتنے ٹوٹ گئے / گرہ نیم باز کیا جانے
سچ ہے سب نیک و بد ہمیں سے ہے / گردشِ چشم ناز کیا جانے
مسلکِ آشتیٔ دیدہ و دل / شوقِ ہنگامہ ساز کیا جانے
شیخ پندارِ عشق سمجھا ہے / نازِ اہلِ نیاز کیا جانے
غیرتِ بندگی و ناچاری / کوئی بندہ نواز کیا جانے
آئینہ کی نزاکتیں ہے ہے / دستِ آئینہ ساز کیا جانے
آنکھ جو دیکھتی ہے، دیکھتی ہے / دل کے راز و نیاز کیا جانے
سینۂ نے پہ جو گزرتی ہے / وہ لبِ نے نواز کیا جانے
کثرتِ جلوہ و ہجومِ نظر / عشق وحدت طراز کیا جانے
حسن کی دل گدازیاں توبہ / عشق بے سوز و ساز کیا جانے

وہ حقیقت کہ جو گزرتی ہے
لبِ افسانہ ساز کیا جانے

ہائے گل کاریاں محبت کی
دامنِ پاکباز کیا جانے

رہ روِ راہِ بے خودی ہے جگرؔ
وہ نشیب و فراز کیا جانے

دل گیا رونقِ حیات گئی
غم گیا ساری کائنات گئی

دل دھڑکتے ہی پھر گئی وہ نظر
لب تک آئی نہ تھی کہ بات گئی

دن کا کیا ذکر تیرہ بختوں میں
ایک رات آئی ایک رات گئی

تیری باتوں سے آج تو واعظ
وہ جو تھی خواہشِ نجات گئی

اُن کے بہلائے بھی نہ بہلا دل
رائگاں سعیِ التفات گئی

مرگِ عاشق تو کچھ نہیں لیکن
اک مسیحا نفس کی بات گئی

اب جنوں آپ ہے گریباں گیر
اب وہ رسمِ تکلفات گئی

ہم نے بھی وضعِ غم بدل ڈالی
جب سے وہ طرزِ التفات گئی

ترکِ الفت بہت بجا ناصح
لیکن اس تک اگر یہ بات گئی

ہاں مزے لوٹ لے جوانی کے
پھر نہ آئے گی یہ جو رات گئی

ہاں سرشاریاں جوانی کی
آنکھ جھپکی ہی تھی کہ رات گئی

جلوۂ ذات اے معاذ اللہ
تابِ آئینۂ صفات گئی

نہیں ملتا مزاجِ دل ہم سے
غالباً دور تک یہ بات گئی

قیدِ ہستی سے کب نجات جگرؔ!
موت آئی اگر حیات گئی

عشق ہی تنہا نہیں شوریدہ سر میرے لیے
حسن بھی بیتاب ہے اور کس قدر میرے لیے

ہاں مبارک یہ معراجِ نظر میرے لیے
جس قدر وہ دور تر نزدیک تر میرے لیے

کھیل ہے بازیچۂ شام و سحر میرے لیے
دو گلِ بازی ہیں شمس و قمر میرے لیے

وقف ہے صیاد کی اک اک نظر میرے لیے
ہاں مبارک یہ شکستِ بال و پر میرے لیے

گرم ہے ہنگامۂ شام و سحر میرے لیے
رات دن گردش میں ہیں شمس و قمر میرے لیے

میں وہ وحشی آہ کس صحرائے آفت خیز کا
ہے گلِ ویرانہ بھی بیگانہ تر میرے لیے

اس مقامِ عشق میں ہوں مرحبا اے بیخودی!
ذرہ ذرہ ہے جہاں گرمِ سفر میرے لیے

جذب ہو کر رہ گیا ہوں حسنِ جانِ دوست میں
عشق ہے پایندہ تر پایندہ تر میرے لیے

میں نہیں کہتا کہ ہر جا ہو تیری جلوہ گری
ہاں مگر سب سے جدا خاص اک نظر میرے لیے

اللہ اللہ میں بھی کیا نازک دماغِ عشق ہوں
نکہتِ گل بھی ہے وجہِ دردِ سر میرے لیے

پھر بھی آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اک سراپا ناز کو
میں نے مانا کچھ نہیں حدِ نظر میرے لیے

رہروِ راہِ طلب کو خضر کی حاجت نہیں
ذرہ ذرہ ہے چراغِ رہ گذر میرے لیے

اپنے دل میں جز ترے میں لا نہیں سکتا کبھی
میرا ہر ہر سانس ہے زنجیرِ در میرے لیے

مجھ کو جنت ہی جو دینا ہے تو یارب بخش دے
بس یہی دامانِ تر چشمانِ تر[1] میرے لیے

---

[1] کہ چشمان دل مبین جز دوست (سعدی) یہ لفظ متروک کر دیا گیا ہے لیکن میں جائز سمجھتا ہوں (جگرؔ)

ترکِ مے سے اور بھی میں تو شرابی بن گیا
روز آ جاتا ہے مینائے سحر میرے لئے[1]

جس نے زاہد کو بھی کافر کر کے اڑا ڈالے مرے ہوش
اس سے بھی کچھ اور ساقی تیز تر میرے لئے

وہ مرا ساغر بکف ہونا پشیمانی کے ساتھ
ابرِ رحمت کا وہ اٹھنا جھوم کر میرے لئے

کل شبِ مہتاب میں اک بلبلِ آفت نوا
مرکزِ غم بن رہا تھا رات بھر میرے لئے

ناگہاں لب ہائے برگِ گل سے یہ آئی ندا
نالے کرتا ہے عبث اے بے خبر میرے لئے

میں بھی ہوں اپنی جگہ خونیں جگر خونیں کفن
تو نہ اپنی جان کھو اے مشتِ پر میرے لئے

بس یہ سننا تھا کہ پائے گل پہ گر کر مر مٹا
بن گیا اک نقشِ عبرت عمر بھر میرے لئے

زندگی اک تہمتِ بیجا ہے میری ذات پر
موت اک الزامِ ناجائز جگر میرے لئے

یوں تو ہر حالت میں خوش ہوں لیکن اس کا کیا علاج
ڈبڈبا آتی ہیں وہ آنکھیں جگر میرے لئے

نگاہِ شوق جگر وقفِ چار سو کیا ہے
جو دل حسیں ہے تو دنیائے رنگ و بو کیا ہے

خبر نہیں یہ مجھے میں کیا ہوں آرزو کیا ہے
کسی نے جب سے یہ سمجھا دیا کہ تو کیا ہے

جو دل میں بیٹھ نہ جائے وہ گفتگو کیا ہے
جو چھپ نہ جائے وہ پیغامِ آرزو کیا ہے

یہ چپکے چپکے دل و جاں سے گفتگو کیا ہے
یہ چھیڑ چھاڑ یہ اندازِ آرزو کیا ہے

یہی خبر نہیں اے وائے عشق و محرومی
کہ آرزو کسے کہتے ہیں جستجو کیا ہے

---

[1] شرابی عموماً آخر شب تک پیتے پیتے بدمست ہو کر سو جاتا ہے اور دن چڑھے اس لئے صبح صادق کے نشہ یا اس منظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ ترک مے کے بعد اس لطیف منظر سے متاثر ہوتے رہنا بھی کچھ کم نہیں (جگر)

پارہ ہائے جگر

آج ایسا نگہِ مست کا اک وار ہوا ۔ دل کا کیا ذکر سنبھلنا مجھے دشوار ہوا

وہی ہے عشق، وہی حسن ہے، وہی سب کچھ ۔ مگر کسی سے کسی کا جواب ہو نہ سکا

اب کیا کریں اے جوشِ طلب تیری قسم اور ۔ بڑھتا ہے اگر شوق تو رکتے ہیں قدم اور

ختم نہیں غمِ عشق کہ ہیں تازہ ستم اور ۔ اب دیکھئے کیا ہو کہ نہ تم اور نہ ہم اور

عشق کی! اللہ ری آتش کاریاں ۔ خون کی بوندیں ہیں یا چنگاریاں

مقتل گہ میں آج ہولی ہے جگرؔ!
چل رہی ہیں خون کی پچکاریاں

شکوہ تو کیا ہو نہ سکی آہ تک ۔ ہمتِ اربابِ وفا کچھ نہیں

لطف بس کچھ اس نے کہا زیرِ لب
میں نے جو پوچھا تو کہا کچھ نہیں

---

۱ وار سے ساکن پر یقیناً اعتراض کیا جا سکتا ہے لیکن اس قسم کے اعتراضات محض قدامت پرستی کی بنا پر ہوں گے۔ صاحبانِ فکر و نظر اس زمانے کی پستی سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ جگر

یونہیں حیران پریشاں روز صبح و شام کرتے ہیں
جنونِ عشق کے مارے کہیں آرام کرتے ہیں

ہجوم آرزو، شوقِ فراواں، درد بیتابی
وہ جس پر چاہتے ہیں اس پہ یوں اکرام کرتے ہیں

اک جگہ بیٹھ کے پی لوں مرا دستور نہیں
میکدہ تنگ بنا دوں مجھے منظور نہیں

قیدِ آدابِ محبت مجھے منظور نہیں
عشق دستور ہے خود عشق کا دستور نہیں

برقِ غیرت مری ہستی کو جلا دے تسلیم
چھپکے پردہ میں ہی حسن یہ منظور نہیں

کیا انا الحق کا ترانہ کہ اب اس دنیا میں
رسن و دار نہیں شبلی و منصور نہیں

تجھی میں ہے جگر اک حسن معتبر پنہاں
بہار و بربط و مینا نہ در نظر پنہاں

بہت اشارۂ پیہم مگر لطیف ترین
ہزار ہا نگہ ملتفت مگر پنہاں

جگر کو درس حقیقت بہت نہ دے واعظ
وہ بے خبر تو بظاہر ہے باخبر پنہاں

دل ہے قدموں پہ کسی کے سر جھکا ہو یا نہ ہو
بندگی تو اپنی فطرت ہے خدا ہو یا نہ ہو

یہ جنوں بھی کیا جنوں ہے یہ حال بھی کیا حال ہے
ہم کہے جاتے ہیں کوئی سن رہا ہو یا نہ ہو

عبث دہر کا رہی میں عشق میں اہلِ وفا مجھکو
مجسم زندگی ہو جو نہیں سکتی قضا مجھکو

جلوہ وہ کونسا ہے؟ جو صورت کشا نہ ہو — اے اعتبارِ شوق! جو تو ہو تو کیا نہ ہو
خود ہی جمالِ دید ہے، وجہ حجابِ دید — دیکھوں اسے، وہ مجھ کو اگر دیکھتا نہ ہو

کس کی نگاہِ کافر، غماز بن گئی ہے — میری تمام ہستی آواز بن گئی ہے

دیکھ لو رنگِ روئے ناکامی — یہ نہ پوچھو، کہ بیکسی کیا ہے

گزر گیا ہوں یوں بھی میں منازلِ حیات سے — کہ جیسے خود غرض نہیں حیات سے نجات سے

جب سے وہ آنکھ شرمسار سی ہے — دل کو تسکین بے قرار سی ہے
دیکھیے پاس بھی رہے نہ رہے — یوں تو ظاہر میں وضعدار سی ہے

مرے گناہوں کا کیا ٹھکانا، خیال سے شرم آ رہی ہے
رواں ہیں آنکھوں سے اشکِ پیہم حیات گنگا نہا رہی ہے

جب سے مری آنکھوں میں تری جلوہ گری ہے، — دنیا مرے نزدیک تبسم سے بھری ہے
یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے کہتے ہیں جسے حسن — جب دیکھیے کچھ نیند سی آنکھوں میں بھری ہے

یہ چاہتا ہوں الٰہی، کہ کچھ دنوں کیلئے — خود اپنے عشق میں وہ شوخ مبتلا ہو جائے
خدا کی شان، کہ شورش حجابِ ناز بنے — سکوت آئینۂ روئے مدعا ہو جائے

حسن خود عشق کی صورت میں مقابل آئے — کاش ایسا ہو کہ تجھ پر ہی ترا دل آئے

جب اس طرف سے کوئی اہلِ نظر گیا ہے — دل کی نزاکتوں پر عالم گزر گیا ہے

مجھے تو رشک آتا ہے غمِ جاناں کی ہستی پر — بدل لے کاش اپنی زندگی سے زندگی میری
اسے صیاد نے کچھ گل نے کچھ بلبل نے کچھ سمجھا — چمن میں کتنی معنی خیز تھی اک خامشی میری

نگاہِ کرم کی ضرورت نہیں ہے — کہ اب مجھ میں تابِ محبت نہیں ہے
مجھے بھی ہے احساس اپنی خودی کا — اگر ان کو میری ضرورت نہیں ہے
محبت سے بھی ماورا ہے کوئی شے — محبت ہی تنہا محبت نہیں ہے
کسے یاد رکھوں کسے بھول جاؤں — اب اتنی بھی اے عشق فرصت نہیں ہے

جب نظر اپنی حقیقت آئی — مجھ پہ خود میری طبیعت آئی
جو مصیبت جو قیامت آئی — سب اسی دل کی بدولت آئی
دلِ مرحوم کے ماتم کے لئے — بال کھولے شبِ فرقت آئی
کوئی طوفاں بھی نہ ہوگا ایسا — کیا اندھا دھند طبیعت آئی

جذباتِ جگر

یعنی

کلامِ دورِ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

اُس کی نگہِ ناز کے قابل نہ سمجھنا
اے بیخبرو! دل کو کبھی دل نہ سمجھنا

بے کار سی اک ہستیِ باطل نہ سمجھنا
نقشِ قدمِ یار ہے یہ دل نہ سمجھنا

دل ہی کو فقط درد کے قابل نہ سمجھنا
اس شیخ سے خالی کوئی محفل نہ سمجھنا

میں دل سے ہی دور مگر اے غمِ جاناں!
دل کو مرے آوارۂ منزل نہ سمجھنا

جو موجِ نظر ہے وہ ہے اک برقِ تجلّی
آنکھوں کو فقط پردۂ حائل نہ سمجھنا

ہر جلوے کے پردے میں خود ہیں کہاں ہیں
تنہا ہے ہنگامۂ محفل نہ سمجھنا

خود دیکھ کے کہا درد محبت یہ کسی نے
اب آج سے اپنا ہی تم دل نہ سمجھنا

کھینچی ہے یہ اب وسعتِ دل وا کی تو
منزل بھی جو آ جائے تو منزل نہ سمجھنا

اے قیس نظر! حسنِ حقیقت سے خبردار
سایہ ہے اسے صاحبِ محفل نہ سمجھنا

ہر سانس ہے در پردہ نگہبانِ محبت
زنہار کبھی حسن کو غافل نہ سمجھنا

ہر ذرہ ہے اک پیکرِ صد حسنِ حقیقت
ہستی کو جگر! ہستیِ باطل نہ سمجھنا

محال تھا کہ میں آزادِ دو جہاں ہوتا
بقیدِ جسم نہ ہوتا بقیدِ جاں ہوتا

نہاں کیے سے کہیں رازِ غم نہاں ہوتا
زباں دہن میں نہ ہوتی تو میں زباں ہوتا

یہ سوچتا ہوں ٹھکانا مرا کہاں ہوتا
اگر وہ میری طرح مجھ سے بدگماں ہوتا

محال تھا کہ غمِ عشق بے نشاں ہوتا
جو میں نہیں تو مری آہ کا دھواں ہوتا

جو میں خود اپنی حقیقت کا رازداں ہوتا
تمام منظرِ فطرت مری زباں ہوتا

یہ سب ہیں فیض اسی دم قدم کے اے بلبل
خزاں نہ تنکے اڑاتی، نہ آشیاں ہوتا

بھلا ہوا، کہ نظر حیرتوں میں ڈوب گئی
کہاں کہاں نہ ترا حسن رائگاں ہوتا

صفاتِ عشق کی تکمیل بھی ضروری تھی
جبیں پہ سجدۂ بت کا بھی اک نشاں ہوتا

بہارِ توبہ شکن، چشمِ مستِ یار، مُصر
میں آج پی جو نہ لیتا، وہ بدگماں ہوتا

کہاں فراغ، تلون مزاجیوں سے تری
یہ دردِ ہجر ہی اے کاش جاوداں ہوتا

کمالِ اہلِ حرم مستند سہی لیکن
کوئی تو باخبرِ جلوۂ بتاں ہوتا

یہ ذوقِ سجدہ کہیں مطمئن نہ رہ سکتا
مری جبیں سے جو باہر وہ آستاں ہوتا

کہاں ہم اور کہاں اب فسانۂ غمِ عشق
وہ التفات نہ کرتے تو کچھ بیاں ہوتا

وہ حالِ دل لبِ خاموش سے بھی سنتے ہیں
یہ جانتا، تو نہ شرمندۂ فغاں ہوتا

گدازِ عشق کی اب شرح مختصر یہ ہے
وہ مہرباں جو نہ ہوتا تو مہرباں ہوتا

نثار ہو گئے اک جلوۂ تبسم پر
کہاں نصیب یہ وقتِ وداعِ جاں ہوتا

تمام اٹھ گئے پردے تو اس سے کیا حاصل
مزا تو جب تھا کہ اب بھی نہ درمیاں ہوتا

یہ سب نمود و نمائش ہے تیرے چھپنے سے
جو تو نہ پردے میں ہوتا، تو میں کہاں ہوتا

یادِ ایام، کہ جلووں کا ترے ہوش نہ تھا — حیرت آوارہ نہ تھی، عشق جنوں کوش نہ تھا
حسن بھی بزم میں جبتک کہ قدح نوش نہ تھا — بادۂ عشق میں نشہ تھا، مگر جوش نہ تھا
ہائے آغازِ محبت کا وہ دورِ سرشار — کونسا اشک تھا، جو ساغرِ سرجوش نہ تھا

دن جوانی کے جگر بیخبری میں گزرے
ہوش کا وقت جب آیا، تو مجھے ہوش نہ تھا

محیطِ عشق میں جو کچھ بھی تھا اک عالمِ دل تھا — اسی ذرے میں دریا تھا، اسی قطرے میں ساحل تھا
خوشا وہ دور جب آغازِ دردِ عشق کامل تھا — مجھے محسوس ہوتا تھا، کہ میں سرتاپا دل تھا
سمجھنے پر بھی سمجھانا، جسے ہر طرح مشکل تھا — اسی کا نام شاید اصطلاحِ عشق میں دل تھا

جنوں میں بھی کیا کم یہ سامان ہوگا — گریباں سے پیدا، گریبان ہوگا
نہ جاں دل بنے گی، نہ دل جان ہوگا — غمِ عشق، خود اپنا عنوان ہوگا
ٹھہر اے دلِ دردمندِ محبت — تصور کسی کا پریشان ہوگا
مرے دل میں بھی اک صورت ہے پنہاں — جو تو دیکھ لے گا، تو حیران ہوگا
یہ کہہ کر دیا اس نے دردِ محبت — جہاں ہم رہیں گے، یہ سامان ہوگا
گوارا نہیں، جان دے کر بھی دل کو — تری اک نظر کا جو نقصان ہوگا

کٹے گی شبِ غم بڑی راحتوں سے — تری یاد ہوگی، ترا دھیان ہوگا

چلو دیکھ آئیں جگر کا تماشا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگا

حُسن کے احترام نے مارا — عشقِ بے ننگ و نام نے مارا
وعدۂ ناتمام نے مارا — روز کی صبح و شام نے مارا
لرزشِ دستِ شوق آہ نہ پوچھ — لغزشِ نیم گام نے مارا
عشق کی سادگی تو ایک طرف — شوق کے اہتمام نے مارا
اللہ اللہ نفس کی آمد و شد — اس پیام و سلام نے مارا
عشق مرتا نہ اپنی موت سے آہ — عاشقانِ کرام نے مارا
کاش وہ عمرِ خضر بن جاتے — جن خیالاتِ خام نے مارا

میں نہیں بسملِ خیام جگر!
حافظِ خوش کلام نے مارا

جدھر سے حسن کا اک گوشۂ نقاب اٹھا — تمام ذرے پکارے وہ آفتاب اٹھا[۱]
یہ کون جامِ تہی کردہ خراب اٹھا — کہ میکدے کو لئے شورِ اضطراب اٹھا
نظر کو مستِ مئے حسن کر حجاب اٹھا — جگر! شراب نہ پی، تہمتِ شراب اٹھا

۱؎ ۔ آفتاب اٹھا، درحقیقت خلافِ محاورہ ہے مگر میرا مفہوم بجز اسکے اور کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔ اگر مذاقِ سلیم سے کام لیا جائے تو یہ ایک اجتہاد ہوگا جسے رائج ہونا چاہیئے۔ جگر

یہ سب جو حسنِ حقیقت پہ ہیں حجاب اٹھا
نظر کو ہے جو اٹھانا تو کامیاب اٹھا

نشانِ منزلِ جذبِ تمام چھپ نہ سکا
ادھر فنا ہوا قطرہ، ادھر حباب اٹھا

کہاں مشاہدۂ روح میں ہے پابستہ؟
بہت لطیف سہی پھر بھی یہ حجاب اٹھا

نمودِ حسن کی یہ گرمیِ مزاج تو دیکھ
ہزار قطرے فنا کر کے اک حباب اٹھا

کہیں نہ فتنہ کوئی اٹھ کے تھام لے دامن
قدم نہ راہِ محبت میں بے حساب اٹھا

رہِ طلب میں نہ کر خوفِ لغزشِ پا سے
یہاں جو گر کے اٹھا بس وہ کامیاب اٹھا

جہانِ حسن سے تکمیلِ تشنگی کر لے
ابھی نظر سے نہ یہ پردۂ سراب اٹھا

بھری ہوئی ہیں فضائیں جمالِ غم سے تمام
گناہ گارِ نظر! لذتِ عذاب اٹھا

وداعِ ہوش کو پابندِ انحصار نہ کر
سکونِ شوق سہی کیفِ اضطراب اٹھا

اٹھا چکا ہے بہت نازِ بادہ و ساغر!
شکستِ نشہ اب لذتِ شراب اٹھا

فضائے عشق ہی ساکت ہوئے شوق ہے یخ
کدھر ہے مطربِ آتش نوا، رباب اٹھا

کوئی خرابِ تماشا، وہاں پہنچ نہ سکا
مگر جو میکدۂ عشق سے خراب اٹھا

یہی تھا وعدۂ تسکیں یہی تھا عہدِ وفا
نظر تو اپنی ارے شوخ پر حجاب اٹھا

نسیمِ شوق یہ لائی جوابِ نامۂ درد
کچھ اور دن ابھی تکلیفِ اضطراب اٹھا

جدھر کو ہستیِ دریا نے رخ کیا اپنا
تڑپ کے موج اٹھی جھوم کر حباب اٹھا ۲

مجھے اٹھانے کو آیا ہے، واعظِ ناداں
جو اٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اٹھا

کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھیں اے واعظ
میں اپنا ساغر اٹھاتا ہوں تو کتاب اٹھا

کہاں یہ یار کہاں پائے نازکِ جاناں اٹھا بہ زور جگر خانماں خراب اٹھا

قریب ساعتِ وصل آچکی ہے اب تو جگر
بخوڑ دامنِ تر دیدۂ پر آب اٹھا

ہزاروں قربتوں پر یوں مرا مہجور ہو جانا جہاں سے چاہنا انکا وہیں سے دور ہو جانا
نقابِ روئے نادیدہ کا از خود دور ہو جانا مبارک اپنے ہاتھوں حسن کو مجبور ہو جانا
سراپا دیدہ ہو کر غرقِ موجِ نور ہو جانا ترا ملنا ہے خود ہستی سے اپنی دور ہو جانا
نہ دکھلائے خدا اے دیدۂ تر دل کی بربادی جب ایسا وقت آئے پہلے تو بے نور ہو جانا
جو کل تک لغزشِ پا پر طلبگار مسکراتے تھے وہ دیکھیں آج ہر نقشِ قدم کا طور ہو جانا
ان آنکھوں کا نہ پوچھو ضبط جن آنکھوں نے دیکھا ہے سحر ہونے سے پہلے شمع کا بے نور ہو جانا
محبت کیا ہے؟ تاثیرِ محبت کس کو کہتے ہیں ترا مجبور کر دینا مرا مجبور ہو جانا
یکایک دل کی حالت دیکھ کر میرا تڑپ اٹھنا اسی عالم میں پھر کچھ سوچ کر مسرور ہو جانا
محبت عین مجبوری ہی لیکن یہ کیا باعث مجھے باور نہیں آتا مرا مجبور ہو جانا
مگر اس رمز سے نا آشنا تھے حضرت موسیٰ کہ ہے ننگِ نظر پابندِ برق و طور ہو جانا
نگاہِ ناز کو تکلیفِ جنبش تا کجا آخر مجھی پر منحصر کر دو مرا مجبور ہو جانا

جگر! وہ حسنِ یکسوئی کا منظر یاد ہے اب تک
نگاہوں کا سمٹنا اور ہجومِ نور ہو جانا

ادب شناسِ محبت دل خراب ہوا ترا حجاب نہ کرنا بھی اب حجاب ہوا

سکونِ شوق، جو مائل بہ اضطراب ہوا
شراب و شیشہ بنا، نغمہ و رباب ہوا

اسی سے دل کا ہر اک نقش جلوہ تاب ہوا
مری نظر نہ ہوئی، آپ کا حجاب ہوا

خراب ہو کے بھی دل کب جہاں خراب ہوا
اک آفتاب کا سایہ تھا، آفتاب ہوا

فروغِ بادہ، ترے حسن کا جواب ہوا
سنبھالنا، مجھے ساقی! میں بے نقاب ہوا

مجھی میں گم، مرا ہر کیف اضطراب ہوا
جو بچ رہا، وہ مرا شوق کامیاب ہوا

کتابِ عشق کا مشکل ترین باب ہوا
وہ ایک دورِ محبت جو صرف خواب ہوا

معاملاتِ محبت یہاں تک اب پہنچے
کمالِ ضبطِ نفس شرطِ اضطراب ہوا

نگاہِ شوق کی جذب و کشش ارے توبہ
جس آئنے پہ نظر کی ترا جواب ہوا

ستم ظریفیِ حسنِ ازل، ارے توبہ
وہ دل دیا کہ جسے قرب بھی عذاب ہوا

اس ایک دل کی حقیقت کو کوئی کیا جانے
جو لاکھ بار بنا، اور پھر خراب ہوا

نگاہِ دل بھی یکایک اسے سمجھ نہ سکی
وہ ہر کرم جو پسِ پردہ عتاب ہوا

دلِ تباہ کی کرنی ہی تھی کوئی تاویل
سمجھ لیا کہ محبت کا گھر خراب ہوا

نگاہ خاک پہ پہنچی، جمالِ معنی تک
خیال دل میں اترتے ہی اضطراب ہوا

بہت ملال ہے دل کو، سنا ہے یہ جب سے
بہ حدِ تابِ نظر کوئی بے حجاب ہوا

سکون اصلِ عدم تھا، محیطِ قدرت میں
دلیلِ ہستیِ ہر موج، اضطراب ہوا

جہانِ شوق کی محرومیاں نہ پوچھ جگر!
سکوں تو کیا؟ کہ میسر نہ اضطراب ہوا

رحمت نے مجھ کو مائلِ عصیاں بنا دیا
اک پیکرِ حقیقتِ عریاں بنا دیا

ساقی نے آج بندۂ احساں بنا دیا
ڈالی وہ اک نظر، کہ مسـ[illegible]ـں بنا دیا

دل کو حریفِ جلوۂ جاناں بنا دیا
میں وہ ہوں جس نے حسن [illegible]یراں بنا دیا

تیری ہر ایک شان کے شایاں بنا دیا
انساں کو دردِ عشق نے انساں بنا دیا

بربادیوں نے لوٹ کے سامانِ آرزو
ناکامیوں کو حاصلِ عرفاں بنا دیا

اس عشقِ ہرزہ کار سے ہوتا ہی کیا مگر
اک کیفِ مستقل کو، رگِ جاناں بنا دیا

اک اک ادائے عشق کو، تاثیرِ حسن نے
آئینۂ لطافتِ پنہاں بنا دیا

ساقی کے فیضِ مست نگاہی کے میں نثار
ایک ایک موجِ مے کو رگِ جاں بنا دیا

اس کے لئے تو ننگِ محبت ہی فخر تھا
تیرا کرم، کہ جان کو جاناں بنا دیا

کس نے غمِ فراق میں بھر کر نشاطِ روح
اک محشرِ تبسمِ پنہاں بنا دیا

آج اس نظر نے دل سے کیا یوں معانقہ
سمجھا یہ میں کہ درد کو درماں بنا دیا

ہم بھی ہیں کلمہ گو اسی کافر نگاہ کے
کافر جگر کو جس نے مسلماں بنا دیا

خالی زِ ادا ہائے پریشاں نہیں دیکھا
ہم نے کسی آئینہ کو حیراں نہیں دیکھا

مدت ہوئی چھیڑے ہوئے افسانۂ ہستی
اب تک اثرِ خوابِ پریشاں نہیں دیکھا

اللہ رے مجبوریِ آدابِ محبت
گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا

وارفتگیٔ شوق میں حد سے نہ گزر جا ٹھہر اے جہانِ مصلحتِ عشق ٹھہر جا
کونین کا اِن بھول بھلیوں سے گزر جا اپنی ہی طرف دیکھ اِدھر جا نہ اُدھر جا
تقلید حدی کی یہ، اک روشِ عام ہے اے دل تو موجِ فنا بن کے اُبھر اور بکھر جا
مجھ سا کوئی دیوانہ تجھے کون ملے گا؟ آ اے اجل آ! تو بھی مرے ساتھ ہی مر جا

قاتل کی نگاہوں میں ہے، اک معنیٔ پنہاں
اے جاں بلب آمدہ! کچھ دیر ٹھہر جا

ت

نہ دیکھا، رخِ بے نقابِ محبت محبت ہے شاید حجابِ محبت
برستا ہے کیفِ شبابِ محبت ہر آنسو ہے جامِ شرابِ محبت
عجب جوش پر ہے شبابِ محبت محبت ہی مستِ شرابِ محبت
زہے خواب و تعبیرِ خوابِ محبت محبت ہی نکلی جوابِ محبت
مجھے کیا پڑی ہے ترے در سے اٹھوں ٹھہرنے جو دے اضطرابِ محبت
دل ذرہ ذرہ ہے، طورِ تجلی زہے، جلوۂ آفتابِ محبت
سبھی اٹھ گئے، دیدہ و دل سے پردے نہ اٹھا، مگر، اک حجابِ محبت
نہ رکھو غرض ہم سے اتنا ہی کہہ دو "ہلاکِ تبسم" خرابِ محبت
لہو کی ہر اک بوند دل بن گئی ہے خوشا لذتِ کامیابِ محبت

حدودِ محبت سے بھی بڑھ گئے ہم
سلامت رہے اضطرابِ محبت

غزل

ترے جلووں میں گم ہو کر، خودی سے بیخبر ہو کر
تمنا ہے کہ رہ جاؤں ز سر تا پا نظر ہو کر

نہ چونکے اہلِ دل تا حشر مستِ بیخبر ہو کر
زمانہ کروٹیں بدلا کیا، شام و سحر ہو کر

جنونِ بیخودی نے کہہ دیا کیا؟ پردہ در ہو کر
نگاہِ قہر بھی اٹھی، محبت کی نظر ہو کر

بہارِ لالہ و گل، شوخیِ برق و شرر ہو کر
وہ آئے سامنے، لیکن حجاباتِ نظر ہو کر

نگاہِ اہلِ دل بھی رہ گئی زیر و زبر ہو کر
کہاں پہنچے مرے اجزائے ہستی منتشر ہو کر

بھرم کھونا کہیں اے دل! نہ عشقِ معتبر ہو کر
گزر جا، ہاں گزر جا حسن سے بھی بیخبر ہو کر

حجاب اندر حجاب و جلوہ اندر جلوہ کیا کہئے
بلائیں پھنس گئے عشاق پابندِ نظر ہو کر

یہاں تک بڑھ کے لوں کاش ترے حسن کا بل گو
تجھی کو سب پکار اٹھیں گزر جاؤں جدھر ہو کر

ابا ہیں رحمت کے آگے حشر میں کیا ہاتھ پھیلا دیں
رہی وابستہ جو تجھ سے مرا دامانِ تر ہو کر

معاذ اللہ انکا کیفِ جدائی، معاذ اللہ
اثر کا منہ چڑھاتی ہیں جو آہیں بے اثر ہو کر

پڑا رہ سبزۂ بیگانہ پر تو! صورتِ شبنم
شعاعِ حسن اڑا لیجائیگی خود بال و پر ہو کر

کہاں جاتی ہے ملکر، او نگاہِ ناز بے پروا!
مرے پہلو میں رہ جا، لذتِ دردِ جگر ہو کر

لطافت مانعِ نظارۂ صورت سہی لیکن
دھڑکنا دل کا کہتا ہے وہ گزری ہیں ادھر ہو کر

حریمِ حسنِ معنی ہی جگر! اکا شانۂ اصغر[١]
جو بیٹھو، با ادب ہو کر، تو اٹھو با خبر ہو کر

ف

اللہ اللہ، اثر انگیزیِ جذبِ غمِ کیف
ٹپکا پڑتا ہے نگاہوں سے مری عالمِ کیف

اُس نے ساغر کو اچھالا تھا کسی نے قمِ کیف
بن گیا عالمِ ہستی، ہمہ تن عالمِ کیف

کھل گیا آج، مجھے دیکھ کے بیخود، دمِ کیف
زاہدِ خشک کو سمجھا تھا، میں نامحرمِ کیف

دیکھ! کہتے ہیں اسے حاصلِ کیف و غمِ کیف
رقص کرتا ہے نگاہوں پہ مری عالمِ کیف

میں نہ کہتا تھا کہ بے سود ہی اب شانِ حجاب
پھر وہی تو ہے، وہی دل ہے، وہی عالمِ کیف

گوشۂ دنمیں بھی خاک اڑاتی تھی آنکھیں بھی خشک ہیں
دیکھئے آج برستی ہے کدھر، شبنمِ کیف

دیکھنا تھا لے مجھے جب میں ہی نہ تھا، ای زاہد
اب جو دیکھی بھی تو، کیا انجمنِ بزمِ کیف

جذب ہے کہ ترے جلوے نہیں، محجبِ حسن بنا
چھا رہا تھا، نگہِ شوق پہ جو عالمِ کیف

سب ہیں اک بادۂ کیف کھینچنے والے
محرمِ کیف ہو کوئی، کہ ہو نامحرمِ کیف

ہر نفس حسن کا ہو اک جلوۂ نو سے ملحق
پوچھ، اس مست سے اندازۂ نشر درمِ کیف

کب اسی وسعتِ کونین بھی کافی ہوتی
تو نہ تھی اگر اے جانِ حزیں محرمِ کیف

دیکھتے دیکھتے یوں عشق نے کروٹ بدلی
انتہا کیف کی خود بن گئی وجہِ رمِ کیف

ہمہ پیمانۂ قیود و ہمہ ایں نقشِ وجود
حلقہ ہست ز صد سلسلۂ برہمِ کیف

---

[١] حضرت اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ١٢ جگر

ایک ہی منظرِ فطرت ہی بدل دی کہیں
یہ تری مست نگاہی یہ مرا عالمِ کیف

ق

مجھ سے سنو مآلِ غمِ انتہائے عشق
میں سازِ عشق ہوں مری نظریں صدائے عشق

اللہ ری یہ شانِ فنا و بقائے عشق
اب حسن آپ جلوہ نما ہے بجائے عشق

وہ جانتا ہے اس کو جو ہے آشنائے عشق
ہر ذرہ ہے مقام پہ اپنے خدائے عشق

اب کوئی سن سکے تو سنے ماجرائے عشق
اک اک نظر ہے مطربِ آفت نوائے عشق

دنیائے آب و گل کی ہوا گرم ہو چلی
کھلنے نہ پائے تھے ابھی بندِ قبائے عشق

ل

نالہ پابندِ نفس اے دلِ ناشاد نہیں
یہ تو فریاد کی توہین ہے فریاد نہیں

اب یہ کیا بات کہ آباد نہیں شاد نہیں
دل گزرگاہ تری ہے تجھے کیا یاد نہیں

عشق محرومِ اثر اور ستم ایجاد نہیں
ہے یہ تری ہی صدا ورنہ مری فریاد نہیں

آنکھ کہتی ہے جسے وہ عشق کی روداد نہیں
دل سے آ جائے جو لب تک مری فریاد نہیں

تجھ سے اے دوست کوئی شکوۂ بیداد نہیں
دل ستم ساز ہے خود تو ستم ایجاد نہیں

نقش بنکر اسے رہنا ہے سنو، یا نہ سنو — دل کی آواز ہے، یہ درد کی فریاد نہیں
دور ہے منزلِ عرفان خودی اور یہاں — بیخودی کا ہے یہ عالم، کہ خدا یاد نہیں
غم سلامت ہے تو کر لے گا بہت دل پیدا — سچ کہا آپ نے ہستی تری برباد نہیں
ہم وہ مدہوشِ ازل ہیں کہ الٰہی توبہ — دل سے کیا کہہ کے چلے تھے ہمیں کچھ یاد نہیں
میری ہستی ہے مری عرض تمنا، ای دوست — خود میں فریاد ہوں میری کوئی فریاد نہیں
موت ہے ذوقِ طلب کے لئے عرفانِ حصول — سعی برباد ہے جو سعی کہ برباد نہیں
ہستیِ غم کا ہے ادراک جسے کہتے ہیں درد — ہستیِ دل کا ہے احساس تری یاد نہیں
پھونک دے قیدِ تعین کو بھی ای برقِ جمال — دل ہے آزاد نگاہیں ابھی آزاد نہیں
آنکھ غافل ہے کہ ہے تشنۂ دیدار ہنوز — دل ہے آگاہ، کہ خود ہے یہ تری یاد نہیں
تم نے کیوں انجمنِ ناز میں تیور بدلے؟ — دل فریب کرنے کی حد ہے کوئی فریاد نہیں

دیکھنا، بیخودیِ عشق کا اعجاز، جگر!
کہہ رہا ہوں وہ فسانہ، جو مجھے یاد نہیں

عشق کا پیغام مستی، شوق کی روداد ہوں — زندگی جس سے برستی ہے وہ میں فریاد ہوں
ہر نفس سرمایہ دارِ عشق کامل ہے مرا — مرحبا، درد کہ حسنِ دوست کی روداد ہوں
مائلِ فرزانگی ہے اب مرا ذوقِ جنوں — آج کل میں محوِ تعمیرِ خراب آباد ہوں
عشق بے پروا مرا کافی حقیقت ہے مری — کچھ سمجھ کر میں ہلاکِ حسن کی بنیاد ہوں
اور بھی مشقِ فنا سے بڑھ گئی ایذائے فکر — جس طرف اب دیکھتا ہوں میں ہی میں آباد ہوں

میری ہستی، جستجو، میری حقیقت احتیاج — میں سراپا درد ہوں، میں مستقل فریاد ہوں
کچھ نہیں کھلتا جگرؔ! رازِ طلسمِ کائنات
مجھ میں یہ آباد ہے یا اس میں میں آباد ہوں

و

لیکے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھ کو — خوب پہچان لی آج اے مری صورت مجھ کو
منزلِ غم میں کہاں؟ وقفۂ راحت مجھ کو — ہر نفس تازہ ہے در پیشِ قیامت مجھ کو
لرز پڑی روح، تعین کدۂ ہستی میں — کاش ہوتا ہی نہ احساسِ محبت مجھ کو
عشق نے خدمتِ دشوار وہ کی ہے تفویض — خود ہی ملنے کی بھی ملتی نہیں فرصت مجھ کو
علم کے جہل سے بہتر ہے کہیں جہل کا علم — میرے دل نے یہ دیا درسِ بصیرت مجھ کو
یوں آوارہ پھرا بادِ صبا کے ہمراہ — دل نے جب تک نہ دکھا دی مری وسعت مجھ کو
قلزم آشامیِ یک قطرۂ بیتاب تو دیکھ! — گم کئے دیتی ہے میری ہی محبت مجھ کو
رندِ میخوار وہ ہوں میکدۂ ہستی میں — ہر خمِ موج ہے محرابِ عبادت مجھ کو
چلا ہوں نگہِ یار سے شوخی لیکر — اب جو ممکن ہو تو روکے مری حیرت مجھ کو
لے لیا کام جو لینا تھا غمِ ہستی نے — گرچہ ثابت نہ ہوئی میری ضرورت مجھ کو
باغِ ویرانہ کو کیا اہلِ ہوس سے مطلب؟ — ننگ ہے میری پریشانیِ نکہت مجھ کو
یوں تو ہونے کو جگرؔ! اور بھی ہیں اہلِ کمال — خاص ہے حضرتِ اصغرؔ٭ سے ارادت مجھ کو

٭ حضرت اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

اے وہ! کہ تجھ سے تازہ گلستانِ آرزو
بھرنے لگی مراد سے دامانِ آرزو

اللہ رے فیضِ جلوۂ تابانِ آرزو
صبحِ ازل ہے، شامِ غریبانِ آرزو

نکلی تڑپ کے آنکھوں سے، اک موجِ بیقرار
اب آرزو کہو اسے، یا جانِ آرزو

قطرے تمام خونِ شہیداں کے بن گئے
نقش و نگارِ پردۂ ایوانِ آرزو

جنبش میں ہیں تمام حروفِ خطِ نیاز
اللہ رے شوخیٔ عنوانِ آرزو

سب کچھ ہوا مگر نہ کھلا آج تک یہ راز
تم جانِ آرزو ہو؟ کہ ہم جانِ آرزو

ہاں اس طرف بھی اک نگہِ نیشتر نواز
کب سے تڑپ رہی ہے رگِ جانِ آرزو

○

اندازۂ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اٹھیں موجیں بنکر خطِ پیمانہ

انجام سے بے پروا، آغاز سے بیگانہ
پروانے کی دنیا ہے، بیتابیٔ پروانہ

شیشے سے نہ کچھ مطلب[1] اے ساقیٔ میخانہ
ان مست نگاہوں سے بھر دے مرا پیمانہ

آجائے اگر اپنی ضد پر کوئی دیوانہ
خود گرد پھرے آکر کعبہ ہو کہ بتخانہ

ادراک ہے ہستی کا احساس ہے مستی کا
ہاں اے نگہِ ساقی! اک اور بھی پیمانہ

ٹکرا دیا شیشوں کو، لڑوا دیا رندوں کو
نکلی نہ کبھی تیکھی وہ نرگسِ مستانہ

۱؎ صرف لفظی حسن ہے جسے میں بالطبع پسند نہیں کرتا۔ ۱۲ جگر

ی

بے نقاب آج تو یوں جلوۂ جاناں ہو جائے
جو جہاں پر ہو وہیں بیخود و حیراں ہو جائے

واقفِ سرِ حقیقت اگر انساں ہو جائے
غم سے نزدیک ہو راحت سے گریزاں ہو جائے

اُسکی اِک موجِ تبسم جو نمایاں ہو جائے
دل کا ہر ذرہ بے کیف خمستاں ہو جائے

اِک ذرے کا اگر حُسن نمایاں ہو جائے
آدمی شدتِ انوار سے حیراں ہو جائے

حُسن خود ہو نگراں عشق جو حیراں ہو جائے
جان خود جسم بنے جسم اگر جاں ہو جائے

کفر بھی کیا اگر انسان کو عرفاں ہو جائے
جس جگہ ٹیک دے سر کعبۂ ایماں ہو جائے

تم سنا دو کسی پردے سے جو اپنی آواز
روح خوابیدہ ابھی جسم میں رقصاں ہو جائے

دل ہے گنجینۂ اسرار، نگاہیں محدود
کاش اس کل کا ہر اک جزو پریشاں ہو جائے

مستیٔ عشق کا افسانہ اگر چھیڑ دوں میں
کفر کی شرح میں گم شیخ کا ایماں ہو جائے

عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی نہ سہی
یہی انساں کی ہے معراج کہ انساں ہو جائے

اس سے بڑھ کر کوئی دلسوز بھی دنیا میں نہیں
نفسِ چالاک اگر تابعِ فرماں ہو جائے

یوں بڑھے پائے طلب حُسنِ قدم کی جانب
ایک ہی جست میں طے عالمِ امکاں ہو جائے

عام ہے بیعتِ ساقی درِ میخانہ ہے باز
آج ہونا ہو جسے آ کے مسلماں ہو جائے

اللہ اللہ یہ عرفانِ جنوں کی تاثیر
آج جس خار سے کہہ دوں وہ گلستاں ہو جائے

خام سمجھو طلب و شوق کا اعجاز جگر!
ہر نفس عشق میں جب تک نہ رگِ جاں ہو جائے

دل کو کسی کا تابعِ فرماں بنائیے
دشواریِ حیات کو آساں بنائیے

درماں کو درد، درد کو درماں بنائیے
جس طرح چاہیے، مجھے حیراں بنائیے

پھر دل کو محوِ جلوۂ جاناں بنائیے
پھر شامِ غم کو صبحِ درخشاں بنائیے

پھر کیجیے اسی رخِ تاباں سے کسبِ نور
پھر داغِ دل کو شمعِ شبستاں بنائیے

پھر لکھیے خطِ شوق میں بیتابیِ فراق
پھر خونِ دل کو زینتِ عنواں بنائیے

پھر پیکرِ حیات میں بھریے فنا کا رنگ
پھر جان و دل کو شعلہ بداماں بنائیے

منشائے حسنِ دوست ہی نکلیں نہ حسرتیں
سینہ تمام گنجِ شہیداں بنائیے

آباد اگر نہ دل ہو، تو برباد کیجیے
گلشن نہ بن سکے، تو بیاباں بنائیے

ایک اک لہو کی بوند میں بھر لیجیے درخشیاں
جتنی رگیں ہیں سب کو رگِ جاں بنائیے

دل کو اسی نگاہ کے کر دیجیے سپرد
گلشن بنائیے، نہ بیاباں بنائیے

ان کی طرف سے دل پہ جو پڑ جائیں مشکلیں
اپنی طرف سے ان کو نہ آساں بنائیے

برقِ جمالِ یار یہ کہتی ہے اے جگر!
کون اہلِ ہوش ہے؟ کسے حیراں بنائیے

خود اپنے عکس کو اپنے مقابل دیکھنے والے!
ذرا آنکھیں تو کھول، او نقشِ باطل دیکھنے والے!

حقیقت کو حقیقت کے مقابل دیکھنے والے!
مجھے بھی کچھ، میری ہستیِ دل دیکھنے والے!

یہ محفل ہے، یہاں ہر رنگِ محفل دیکھنے والے!
ارے بیگانہ بن کر جانبِ دل دیکھنے والے!

نقوشِ پرتوِ رنگینیِ دل دیکھنے والے!
کبھی خود کو بھی دیکھ، او خود سے غافل دیکھنے والے!

ترے جلووں کو دیکھیں اور مرے دل کی طرف دیکھیں
کہاں ہیں اتصالِ موج و ساحل دیکھنے والے![1]

ترے کوچے میں آکر فخر سمجھے ہیں اسیری کو
زمیں سے آسماں تک وسعتِ دل دیکھنے والے!

نہ دیکھیں آنکھ اٹھا کر بھی جمالِ شاہدِ مقصد
غمِ بے حاصلی کا حسنِ حاصل دیکھنے والے!

تری صورت کا مظہر ہے ترا ہر پرتوِ رنگیں
تجھی کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے!

شہادت انتقامِ عشق کی صورت بدلتی ہے
سنبھلنا ہاں سنبھلنا رقصِ بسمل دیکھنے والے!

مری ہستی کا ہر ذرہ اڑا جاتا ہے منزل سے
مرا منہ دیکھتے ہیں جذبِ منزل دیکھنے والے!

زمیں کیا آسماں کیا ہیں؟ مکان و لامکاں کیا ہے؟
سما جاؤ تو بھی او گنجائشِ دل دیکھنے والے!

انھیں تہ کی خبر کیا؟ گو مرے مقصد کو کیا جانیں
یہ سب ہیں رقصِ موج و شکرِ ساحل دیکھنے والے!

شہیدانِ محبت سے لڑا آنکھیں نہ اے ناصح!
یہی وہ ہیں جنھیں کہتے ہیں قاتل دیکھنے والے!

ادھر آ ہر قدم پر حسنِ منزل تجھ کو دکھلا دوں
فلک کو پاس سے منزل بہ منزل دیکھنے والے!

مری آتش نوائی کا کبھی کچھ اندازہ نہ فرمائیں
ابھی محفل میں ہونگے نبضِ محفل دیکھنے والے!

انھیں میں کھینچکر روحِ محبت میں نے بھر دی ہے
مرے اشعار دیکھینگے مرا دل دیکھنے والے!

مجھے آغوشِ طوفاں ہی جگرؔ آغوشِ مادر ہے
وہ کوئی اور ہونگے ہیں ساحل دیکھنے والے!

اک حسن کا دریا ہے، اک نور کا طوفاں ہے
اس پیکرِ خاکی میں! یہ کون خراماں ہے

اک سازِ محبت ہے، کل عالمِ امکاں ہے
تو چھیڑ تو دے ظالم! ہر تار رگِ جاں ہے

کچھ عشقِ جنوں پیشہ یوں سلسلہ جنباں ہے
راہیں بھی گریزاں ہیں، منزل بھی گریزاں ہے

---

[1] مصرعِ طرح مشاعرہ مسلم ہوسٹل الٰہ آباد یونیورسٹی ۱۲ جگرؔ

تو رازِ محبت کو سمجھا ہی نہیں ورنہ
پابندیٔ انساں ہی آزادیٔ انساں ہے

مجھ کو مرے عصیاں سے کیا خاک ڈرائے گا
زاہد، وہی زاہد رحمت سے گریزاں ہے

صدقے ترے ہونٹوں کی رنگینی و رعنائی
اک موجِ تبسم میں کل رازِ گلستاں ہے

اک شاہدِ مہتابی، اک پیکرِ محبوبی
ہر ذرہ میں شامل ہے ہر سانس میں پنہاں ہے

عالم کا تلوّن کیا؟ ہستی کا تعین کیا؟
تو خود جو خراماں ہے، سایہ بھی خراماں ہے

بیہوشی و ہشیاری، مجبوری و آزادی
جو کچھ بھی محبت میں احساں ہی احساں ہے

اللہ تجھے رکھے محفوظ حوادث سے
اے کفر! ترے دم تک آرائشِ ایماں ہے

یہ تربتِ عاشق ہے ٹھکرا کے نہ چل غافل!
اس خاک کا ہر ذرہ خورشید بداماں ہے

فطرت نے محبت کی اس طرح بنا ڈالی
جو قید نظر آئی، اک بار اٹھا ڈالی

ہر ذرے کے پیکر میں اک روح وفا ڈالی
اپنی ہی سی کل دنیا عاشق نے بنا ڈالی

اس جلوۂ رنگیں کی دیکھے تو کوئی شوخی
بتخانے کے پردے میں کعبہ کی بنا ڈالی

بربادِ ستم ہو کر، پامالِ کرم بن کر
تو نے بھی نقاب اپنے چہرے سے اٹھا ڈالی

ہستی جسے کہتے ہیں اک سادہ حقیقت تھی
رنگین نگاہوں نے رنگین بنا ڈالی

عشق میں مقصودِ اصلی کو مقدم کیجئے
شرح و تفصیلات پر یعنی نظر کم کیجئے

ہر طرف بے فائدہ کیوں سعیٔ پیہم کیجئے
تشنگی سے اپنی پیدا بحرِ اعظم کیجئے

عشق کی عظمت نہ ہرگز جیتے جی کم کیجئے
جان دیجیے مگر آنکھیں نہ پرنم کیجئے

اپنی ہستی پر نہ طاری کیجئے کوئی اثر
دُور سے نظارۂ حسنِ دو عالم کیجئے

آنسوؤں میں کھینچ لیجئے جلوۂ حسنِ ازل
مہر پیدا کیجئے اور غرقِ شبنم کیجئے

بیخودی میں چھیڑ دیجے نغمہ ہائے سازِ دل
پھر انھیں محوِ جنوں بیخودی رقصِ پیہم کیجئے

احساس عاشقی سے بیگانہ کر دیا ہے
یوں بھی کسی نے اکثر دیوانہ کر دیا ہے

اب کیا امید رکھوں ای حسن یار تجھ سے
تو نے تو مسکرا کر دیوانہ کر دیا ہے

تجھ سے ہی خدا ہی سمجھے تو نے کسے ای دل
مجھ سے بھی کچھ زیادہ دیوانہ کر دیا ہے

پھر اسکے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں
یاد ش بخیر جس نے دیوانہ کر دیا ہے

مجھ کو جنوں سے اپنی شکوہ جو ہے تو یہ ہے
میری محبتوں کو افسانہ کر دیا ہے

اے حسن روز افزوں اعمرت دراز بادا
دونوں جہاں سے مجھ کو بیگانہ کر دیا ہے

جب نے دل میں آگیا ہے اک جنبش نظر نے
دیوانہ کہہ دیا ہے دیوانہ کر دیا ہے

تجھ کو ہی دعا دیتے ہیں یہ شوخیاں تو دیکھ
میرے جگر کو کس نے دیوانہ کر دیا ہے

ہم ہی رندوں کا زمانے سے جدا میخانہ ہے
آسماں خم ہے فضائے آسماں پیمانہ ہے

اک نمودِ مضطرب اک جوشِ بیتابانہ ہے
عشق دیوانہ سہی کیا حسن بھی دیوانہ ہے

حیرت آبادِ فنا بھی کیا تجلی خانہ ہے
ہر تصور شمعِ محفل ہر نگہ پروانہ ہے

اللہ اللہ بیخودی شوق کی صورت گری
ہر قدم پر اسطرف کعبہ ادھر بتخانہ ہے

کھینچکر اک آہ کسنے رکھ دیا جام شراب
دیدنی ہے آج اضطراب ساقی و پیمانہ ہے

ہوشیار او جان دل سے کھیلنے والے ہوشیار
آج چشم شوق کا انداز بے باکانہ ہے

اسکے دل سے پوچھ راز جلوہ بی رنگ حسن
کعبہ بھی جس کی نظر میں صورت بتخانہ ہے

فیض ساقی نے مجھے لبریز مستی کر دیا
ہر نظر جام و سبو ہے ہر نفس میخانہ ہے

اس تبسم کے تصدق اس تجاہل کے نثار
خود مجھی سے پوچھتے ہیں کون یہ دیوانہ ہے

یہ بہار آئی ہوئی ایسی گھٹا چھائی ہوئی
ہجو جسے کرتا ہے زاہد کیا کوئی دیوانہ ہے

میں محل بند لم یزل اک ساقی بے نام کا
شش جہت میرے لئے ٹوٹا سا اک پیمانہ ہے

کوئی قید ہوشیاری ہے نہ شرط بیخودی
تم سمجھ لو جس کو دیوانہ وہی دیوانہ ہے

جس کا جتنا ظرف ہے اُس سے سوا ملتا نہیں
جلوہ ساقی بقدر ہمت مردانہ ہے

ہر قدم پر ناصح شفق کی دلسوزی نہ پوچھ
آدمی اچھا ہے لیکن اک ذرا دیوانہ ہے

پی کے اک جام شراب شوق آنکھیں کھل گئیں
دیکھتا ہوں جسطرف میخانہ ہی میخانہ ہے

غشوہ وعدہ آشنا شوق صورت آفریں
اک نظر اپنی ہے کعبہ اک نظر بتخانہ ہے

آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمائیے
سب یہ کہتے ہیں جگر دیوانہ ہے دیوانہ ہے

ہر گھڑی پیش نظر اک تازہ طوفاں چاہیئے
حشر کیا شے ہے؟ مذاق حشر ساماں چاہیئے

ذوق پیہم چاہیئے شوق گریزاں چاہیئے
مجھ کو اب تیری ہوا رکھے پریشاں چاہیئے

یہ کرم بھی اے نگاہِ فتنہ ساماں! چاہیے
دل کی خاطر ایک دل ہاں دشمنِ جاں چاہیے

اک جمالِ نو بہ نو، طوفاں بہ طوفاں چاہیے
اب بجائے ہر نگہ، تصویرِ جاناں چاہیے

عشق، بے قید تصور، شوق، بے قید نظر!
مجھ کو جو کچھ چاہیے، بے حد و پایاں چاہیے

لذتِ باقی کو اے ذوقِ فنا رہنے بھی دے
کچھ تو بہرِ امتیازِ جان و جاناں چاہیے

ایک وہ جلوہ میں جچتی ہی کہیں رندوں کی پیاس
ہر نگاہِ مستِ ساقی، ساغرِ مستاں چاہیے

عفو کیسا، جلوۂ رحمت بھی نکلے گا یہیں
ذوقِ عصیاں چاہیے، عرفانِ عصیاں چاہیے

آرزو و شوق تو ہیں انجمن در انجمن
اب ترا جلوہ، گلستاں در گلستاں چاہیے

حسن کی کافر نگاہیں، عشق کا معصوم دل
اب تجھی کیا اے حیاتِ فتنہ ساماں چاہیے

سیرگاہِ عشق ہیں کانٹے ہی کانٹے ہوں کہ پھول
دیکھنے والی نظر گلشن بداماں چاہیے

آرزوئے دل سلامت، دردِ پیہم برقرار
آنکھ لگ ہی جائے گی گہوارۂ جنباں چاہیے

منتشر کر دے فضائے حسن میں ذراتِ دل
عشق کی تصویر کا ہر رخ نمایاں چاہیے

حسن بے تابِ تجلی خود ہی لیکن اے جگر!
ایک ہلکا سا حجابِ چشمِ حیراں چاہیے

یہ جذبِ شہادت کا حاصل نظر آتا ہے
جو پردہ اٹھاتا ہوں قاتل نظر آتا ہے

عالم مجھے نادیدہ بسمل نظر آتا ہے
بسمل ہے وہی جس کو قاتل نظر آتا ہے

تصدیقِ حقیقت بھی محتاجِ حقیقت ہے
باطل ہی نظر جب تک باطل نظر آتا ہے

اس جانِ تمنا کا کس طرح پتا پوچھیں!
ہم خود ہی نہیں رہتے جب دل نظر آتا ہے

اب اُس رُخِ رنگیں کے جلووں کو تو کیا کہئے
اپنا بھی نظر آنا مشکل نظر آتا ہے

ہر سمت سرِ مقتل میں کیوں ٹوٹ پڑیں نظریں
کیا صورتِ بسمل میں قاتل نظر آتا ہے

ہستی کے عدم پر بھی شک ہے تری مستو تجھ کو
تصویر کا یہ رخ بھی باطل نظر آتا ہے

پروردۂ طوفاں کو کشتی کی نہیں حاجت
موجوں کے تلاطم میں ساحل نظر آتا ہے

فکرِ منزل ہے نہ ہوشِ جادۂ منزل مجھے
جا رہا ہوں جس طرف لیجا رہا ہے دل مجھے

اب زباں بھی دی ادائے شکر کے قابل مجھے
درد بخشا ہے اگر تو نے بجائے دل مجھے

یوں تڑپ کر دل نے تڑپایا سرِ محفل مجھے
اس کو قاتل کہنے والے کہہ اٹھے قاتل مجھے

اب کدھر جاؤں؟ بتا، اے جذبۂ کامل مجھے
ہر طرف سے آج آتی ہے صدائے دل مجھے

روک سکتی ہو تو بڑھ کر روک لے منزل مجھے
لے اڑی ہے ایک موجِ بیقرارِ دل مجھے

جان دی کر حشر تک میں مرگ تنہا کیا
ہاں مبارک فرصتِ نظارۂ قاتل مجھے

ہر اشارے پر ہے پھر بھی گردنِ تسلیم خم
جانتا ہوں صاف دھوکے دے رہا ہے دل مجھے

جا بھی اے ناصح! کہاں کا سود اور کیا زیاں
عشق نے سمجھا دیا ہے عشق کا حاصل مجھے

میں ازل سے صبحِ محشر تک فروزاں ہی رہا
حسن سمجھا تھا چراغِ کشتۂ محفل مجھے

خونِ دل رگ رگ میں جم کر رہ گیا اس وہم سے
بڑھ کے سینے سے نہ لپٹا لے مرا قاتل مجھے

کیسا قطرہ؟ کیسا دریا؟ کس کا طوفاں؟ کیسی موج
تو جو چاہے تو ڈبو دے خشکیِ ساحل مجھے

پھونک دے اے غیرتِ سوزِ محبت پھونک دے
اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے

توڑ کر بیٹھا ہوں راہِ شوق میں پائے طلب
دیکھنا ہے جذبۂ بے تابیٔ منزل مجھے

اے ہجومِ ناامیدی! شاد باش و زندہ باش
تو نے سب سے کر دیا بیگانہ و غافل مجھے

دردِ محرومی سہی، احساسِ ناکامی سہی
اس نے سمجھا تو بہر صورت کسی قابل مجھے

یہ بھی کیا منظر ہے، بڑھتے ہیں نہ ہٹتے ہیں قدم
تک رہا ہوں دور سے منزل کو میں منزل مجھے

اک مئے بے نام جو اس دل کے پیمانے میں ہے
وہ کسی شیشے میں ہے، ساقی نہ میخانے میں ہے

پوچھنا کیا، کتنی وسعت میرے پیمانے میں ہے
سب الٹ دے ساقیا! جتنی بھی میخانے میں ہے

یوں تو ساقی ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے
وہ بھی تھوڑی سی جو ان آنکھوں کے پیمانے میں ہے

ایک ایسا راز بھی دل کے نہاں خانے میں ہے
لطف جس کا کچھ سمجھنے میں نہ سمجھانے میں ہے

یاد ایام کہ جب تھا ہر نفس اک زندگی
زندگی اب ہر نفس کے ساتھ مر جانے میں ہے

ایک کیفِ ناتمام درد کی لذت ہی کیا
درد کی لذت سراپا درد بن جانے میں ہے

غرق کر دے تجھ کو زاہد! تیری دنیا کو خراب
کم سے کم اتنی تو ہر میکش کے پیمانے میں ہے

پھر نقاب اس نے الٹ کر روح تازہ پھونک دی
اب نہ کعبے میں ہے سناٹا نہ بتخانے میں ہے

منتشر کر دے اسے بھی حسنِ بے پایاں کے ساتھ
زندگی شیرازۂ دل کے بکھر جانے میں ہے

پی بھی جا زاہد! خدا کا نام لے کر پی بھی جا!
بادۂ کوثر کی بھی اک موج پیمانے میں ہے

شیشہ مست، بادہ مست و حسن مست و عشق مست
آج پینے کا مزا پی کر بہک جانے میں ہے

بے تحاشہ پی رہی ہیں کب سے رندانِ الست
آج بھی اتنی ہی جو ہر دل کے پیمانے میں ہے

حسن کی ایک اک ادا پر جان و دل صدقے مگر
لطف کچھ دامن بچا کر ہی گزر جانے میں ہے

عشق نے توڑی سر پہ قیامت، زورِ قیامت کیا کہیے؟
سننے والا کوئی نہیں، رودادِ محبت، کیا کہیے؟
دل ہے کسی کا رازِ حقیقت، رازِ حقیقت کیا کہیے؟
حیرتِ جلوہ، مہر بہ لب ہے، جلوۂ حیرت کیا کہیے؟
جب سے اُس نے پھیر لیں نظریں، رنگ نیا ہی آہ نہ پوچھ؟
سینہ خالی، آنکھیں ویراں، دل کی حالت، کیا کہیے؟
ایک تجلی، ایک تبسم، ایک نگاہِ بندہ نواز
اس سے زیادہ اے غمِ جاناں، دل کی قیمت کیا کہیے؟
شیشۂ دل، وہ ہستی نازک، ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا
اس پہ کسی کے تیرِ ستم کی، مشقِ سیاست کیا کہیے؟

ذرہ، ذرہ، دیدہ و دل ہے، گوشہ گوشہ بستی ہے
عشق ہے جب تک سلسلہ جنباں، دل کی ہستی ہستی ہے
جینے تک ہیں، ہوش کے جلوے آگے ہوش کی مستی ہے
موت سے ڈرنا، کیا معنی؟ موت بھی جزوِ ہستی ہے

معنیِ صورت، صورتِ معنی، فکر و نظر کے دھوکے ہیں
فکر و نظر تک رہ جانا، فکر و نظر کی پستی ہے

چشمکِ حسن و عشق مبارک، دیدہ و دل ہیں خرم و شاد
حشر تک اب یہ صحبت سلامت کس کی کہاں تک ہستی ہے

نالۂ بے قرار کون کرے؟
حسن کو شرمسار کون کرے؟

ہوش کی مستیاں ارے توبہ
ہوش کو ہوشیار کون کرے؟

عشق ہے اعتماد کے قابل
حسن کا اعتبار، کون کرے؟

ہمیں بن جائیں کیوں نہ صورتِ یار؟
دل کو پابندِ یار کون کرے؟

جان و دل پر نہیں رہا قابو
جان و دل اب نثار کون کرے؟

سوئے صحرا، نکل چلے وحشی
انتظارِ بہار، کون کرے؟

لازم ہے کچھ تو خاطرِ دلدار کے لئے
دنیا سمیٹ لوں نگہِ یار کے لئے

بیہوش کے لئے ہیں نہ ہشیار کیلئے
جلوے ہیں خاص چشمِ گہربار کے لئے

ہم سے نہ پوچھ شورشِ درماندگی کا راز
جیتے ہیں اک نگاہِ طرفدار کے لئے

انکی حریمِ خاص میں جلووں کا ذکر کیا؟
وہ خود ہیں اپنے طالبِ دیدار کے لئے

دل تک خیالِ غیر بھی لانا روا نہیں
مخصوص ہے یہ جام لبِ یار کے لئے

آساں نہیں معاملۂ جلوہ و نظر
چشمِ کلیم چاہیئے دیدار کے لئے

جو جہنم میں بھی فردوس بداماں ہونگے
دیکھ لینا! وہ ہمیں سوختہ ساماں ہونگے

ایک پردہ کشا کشِ سعیِ پریشاں ہونگے
خود کو جتنا وہ چھپائیں گے نمایاں ہونگے

نہیں معلوم وہ کس وضع کے انساں ہونگے
جن پہ تیری نگہِ خاص کے احساں ہونگے

وہ جدھر ناز سے بے پردہ خراماں ہونگے
ذرّے سب جام بکف مست غزلخواں ہونگے

جمع سب حسن کے اجزائے پریشاں ہونگے
ہم تو ہم بت بھی کسی روز مسلماں ہونگے

میری حیرت کی قسم آپ اٹھائیں تو نقاب
میرا ذمہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہونگے

میں چھپاتا ترے اسرارِ محبت ظالم!
کیا خبر تھی مری رگ رگ سے نمایاں ہونگے

حسن تک دیکھ لیں سب حسن کے جلوؤں کی بہار
مجھ تک آئے تو مرا حالِ پریشاں ہونگے

نغمۂ بربطِ غم، کیفِ اثر، شورشِ جاں
انھیں پردوں میں کسی دن وہ نمایاں ہونگے

لطفِ آزادیِ زندانِ بلا کیا کہیے؟
اب جو چھوٹے تو اسیرِ غمِ زنداں ہونگے

تجھ کو گلشن کی قسم چھیڑ نہ اے بادِ صبا!
کھل گئیں غنچوں کی آنکھیں تو پریشاں ہونگے

حسن بے قید ہے، عشق بھی محدود نہیں
مجھ کو پائیں گے جہاں تک وہ نمایاں ہونگے

شعلہ سامانیِ غم پر نہ کرو ناز جگر!
تم سے کتنے ہی جگر شعلہ بداماں ہونگے

کوئی نہ گھر ہے اپنا، کوئی نہ آستاں ہے
ہر شاخ ہے نشیمن ہر پھول آشیاں ہے

تو سامنے ہے پھر بھی بتلا کہ تو کہاں ہے
کس طرح تجھ کو دیکھوں نظارہ درمیاں ہے

میں اپنی اس نظر کی رعنائیوں کے صدقے
جو شکل ہے حسیں ہے، دوشیزہ ہے، جواں ہے

میں عشق ہوں مکمل میں شوق ہوں مسلسل
گویا تمام عالم میری ہی داستاں ہے

نذرِ حسن کر کے بیٹھا ہے عشق رسوا
کوئی نہ راز ہے اب کوئی نہ رازداں ہے

میں کس کے سامنے اب اپنی جبیں جھکاؤں
میری جبیں نہیں ہے تیرا ہی آستاں ہے

رنگیں ہیں فضائیں جاری ہیں اشکِ خونیں
افسانہ حسن کا ہی اور عشق کی زباں ہے

پارہ ہائے جگر

زبانِ شوق سے شکرِ وصال ہو نہ سکا
وہ حال تھا کہ کچھ احساسِ حال ہو نہ سکا

نگاہِ شوق نے بدلے ہزارہا منظر!
مرے لئے کوئی شایانِ حال ہو نہ سکا

ستم کشوں نے نہ سمجھا کمالِ حیرت میں
چھپے ہوئے تھے وہ خود دیدۂ محبت میں

اگر نہیں پسِ پردہ کوئی حقیقت میں
یہ کون بول رہا ہے طلسمِ صورت میں

جب آئے محفلِ وحدت سے بزمِ کثرت میں
نظر کا بن گئے پردہ نظر کی صورت میں

آنکھوں کے سامنے اب منزل رہی نہ راہیں
جلووں نے تیری ملکر سب لوٹ لیں نگاہیں

سینے سے حسن نے خود لپٹا لیا تڑپ کر
فریاد بن سکی تھیں آج اس طرح نگاہیں

اک بزمِ ناز میں چل، زاہد تجھے دکھا دوں
مینا بدوش آنکھیں ساغر بکف نگاہیں

دوست الفت نہ کریں غیر عداوت کریں
میں کہیں کا نہ رہوں وہ جو عنایت کریں
وقت آئے تو ہمیں جان بھی کر دیں گے فدا
کیا یہ ممکن ہے ترے نام کی عزت نہ کریں

یہ بھی گر اک، جلوۂ جانانہ ہو
میری محرومی عجب افسانہ ہو

یہ حاصلِ سرمایۂ عرفاں طلبی ہے
یعنی ہوسِ دید، خود اک بے ادبی ہے
بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس
شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لبی ہے

حسن میں جبتک کہ یہ شانِ خود آرائی نہ تھی
عشق میں ہستی تھی لیکن خوئے رسوائی نہ تھی

یہ کس نے منتشر کر دیں جنوں سامانیاں میری
زمیں سے آسماں تک ایک ہیں عریانیاں میری

راس آئی مجھ کو حیرانی مری
اب وہ کرتے ہیں نگہبانی مری

ہو گیا سیراب باغِ آرزو،
اللہ اللہ شبنم افشانی مری

تجلیاتِ جگر

یعنی

کلامِ دورِ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

دل کیا ہے؟ نقشِ حسنِ حقیقت طراز کا
آئینہ کیا ہے؟ عکس ہے آئینہ ساز کا

عالم نہ پوچھ، عشق کی شانِ نماز کا
کونین ایک ذرہ ہے خاکِ نیاز کا

آخر، کھلا یہ رازِ طلسمِ مجاز کا
اک شعبدہ تھا غفلتِ بیگانہ ساز کا

دھوکا، قدم قدم پہ، تری بزمِ ناز کا
کیا سخت مرحلہ ہے طلسمِ مجاز کا

اللہ رے اثر، نگہِ مستِ ناز کا
ہر پردہ ارتعاش میں ہے دل کے ساز کا

چھایا یہ رنگ ہستیِ وحدت طراز کا
مفتی نے دیدیا مجھے فتویٰ جواز کا

عالم نہ پوچھیے کشمکشِ ضبطِ راز کا
ہر سانس ہے پیامِ غمِ جاں گداز کا

کس لطف سے کٹیں شبِ غم کی مصیبتیں
ممنون ہوں، محبتِ افسانہ ساز کا

تو محوِ بیخودی ہی رہا، ورنہ بے خبر!
پنہاں تھا نازِ حسن میں عالم نیاز کا

پیراہنِ جنوں سے تنِ عشق ڈھک لیا
یہ ایک طریق خاص ہے اخفائے راز کا

ناگاہ سامنے نظر آیا جمالِ دوست
میں شکوہ سنج تھا غمِ ہستی گداز کا

مجھ سے گناہگار پہ، یہ بارشِ کرم
منہ دیکھتا ہوں رحمتِ عاجز نواز کا

صوفی نے جس کو شاہدِ مطلق سمجھ لیا
اک پرتوِ لطیف تھا حسنِ مجاز کا

تنہائیٔ فراق میں کیوں گریہ کیجیے
اے دل! یہ وقتِ خاص ہے رازِ نیاز کا

تصویرِ یار سامنے، سر میں ہوائے شوق
ایسے میں کس کو ہوش نشیب و فراز کا

مجھ کو وصال و ہجر سے کیا واسطہ جگرؔ!
عاشق ہوں اک تبسمِ دیوانہ ساز کا

فاش اہلِ بزم پر کُل رازِ پنہاں کر دیا
آئینہ جب تک ہمیں نے سب کو حیراں کر دیا

حسن کے جلووں کو رگ رگ میں خراماں کر دیا
دل کی اک جنبش نے کیا کارِ نمایاں کر دیا

جان و دل صدقے تصدق دین و ایماں کر دیا
ہم نے جو کچھ تھا، نثارِ روئے جاناں کر دیا

ہائے یہ کیا قہر تو نے چشمِ گریاں کر دیا
اور بھی کچھ آتشِ دل کو فروزاں کر دیا

بن رہی تھیں میرے ان کے درمیاں کیا کیا حجاب
موت نے سب مشکلوں کو آخر آساں کر دیا

حسن نے تا شام ہنس کر جو بنایا تھا چمن
عشق نے تا صبح رو کر شبنمستاں کر دیا

زخمۂ حسنِ تبسم کی فسوں کاری نہ پوچھ
ہر نگاہِ شوق کو تارِ رگِ جاں کر دیا

پھیلا تھا موجِ صحرا کھینچ کر جوشِ جنوں
پاسِ ناموسِ وفا نے پابہ زنداں کر دیا

اب اسی دستِ جنوں پر آستیں ہے خندہ زن
دھجیوں کو بارہا جس نے گریباں کر دیا

عشق نے لذت جو دی تھی آہ تو نے عندلیب
اُس کو بھی صرفِ نوائے پریشاں کر دیا

بیخودی حد سے زیادہ بڑھ چلی جب عشق میں
بے حسی کو پردہ دارِ رازِ پنہاں کر دیا

عشق نے در در زلیخا بھر دیا کونین میں
حسن نے ساری فضا کو یوسفستاں کر دیا

شمع جب فانوس میں تھی آنکھ تھی محوِ جمال — جب ہوئی عریاں نگاہوں کو پریشاں کر دیا

بتکدے کو وہ میسر ہے نہ کعبے کو نصیب
اس نے جس جلوے کو وقفِ آئینہ حیراں کر دیا

زمین و آسماں ہونا، مکان و لامکاں ہونا — غرض دل کو کسی صورت محیطِ دو جہاں ہونا
فنائے عشق کیا ہے؟ کاروان در کارواں ہونا — یہاں تک منتشر ہونا کہ بے نام و نشاں ہونا
ترے جلوؤں میں گم ہو کر جہاں اندر جہاں ہونا — مبارک عمرِ رفتہ کو حیاتِ جاوداں ہونا
نظر صیاد کی کیا؟ برق بھی ہو تو لرز اٹھے — ابھی آیا نہیں تنکوں کو جانِ آشیاں ہونا
تماشہ دیدنی ہے دیکھ لیں اہلِ نظر آکر — مرے ہمراہ منزل کا بھی گردِ کارواں ہونا
لہو کا قطرہ قطرہ بن گیا لو شمعِ وحدت کی — بجا ہے اب مرا پروانۂ آتش بجاں ہونا
زہے صورت زہے معنی زہے جلوہ زہے پردہ — بیک لحظہ بیک ساعت عیاں ہونا نہاں ہونا
کسی کے سامنے وہ میری عرضِ شوق کا عالم — مرے ذراتِ ہستی کا مسلسل داستاں ہونا
کبھی دریائے بیتابی کا سینے میں سمٹ آنا — کبھی ہر اشک کے قطرے کا بحرِ بیکراں ہونا

سنا ہے ہر طرف لپٹے ہیں جلوے حسنِ صورت کے
کبھی تم بھی جگر! آوارۂ کوئے بتاں ہونا

جادۂ قلمِ کاتبِ تقدیر میں کیا تھا — میں اول ساعتِ ہستی سے مائل بہ فنا تھا
میرے منہ کی نظر ادھر وہ مجھے دیکھ رہا تھا — اے حیرتِ خاموش! یہ منظر ابھی کیا تھا
جب نام حدِ ہستی کا تعین نہ ہوا تھا — نام اس ستمِ ایجاد کا کیا جانیے کیا تھا

پہنچا ہوں اسی راہ سے تا منزلِ عرفاں
کہتے ہیں جسے ہوش وہی ہوش ربا تھا

یہ فصلِ گل، سماں یہ شبِ ماہتاب کا — لا ساقیا! شراب! مزا ہے شراب کا
چھوڑا نہ راز کوئی، جہانِ خراب کا — سب کہہ گیا میں خواب میں افسانہ خواب کا
بگڑا ہوا ہے رنگ جہانِ خراب کا — بھرلوں نظر میں حسن کسی کے شباب کا
اپنی نظر کی برق وشی کو بھی دیکھئے — مجھ سے ہی پوچھئے نہ مزاج اضطراب کا
نکلی تڑپ کے پردۂ خاکی سے روحِ پاک
ٹوٹا طلسم جلوۂ حسن حجاب کا

آہ، یہ عالمِ کثرت تری رعنائی کا — ایک مرکز نہ رہا چشم تماشائی کا
کیا ٹھکانا ہے اس آوارۂ سودائی کا — حشر اک لمحہ ہے جس کی شبِ تنہائی کا
نور کہتے ہیں جسے چشم تماشائی کا — غیر فانی ہے وہ پرتو تری رعنائی کا
عشق کیا چیز ہے؟ ایک حشر در آغوشِ خیال — حسن کیا؟ خواب ہے اک چشم تماشائی کا
منحصر جلوت و خلوت پہ نہیں وصلِ حبیب — خاص اک وقت ہوا کرتا ہے یکجائی کا
رہ گئیں پردۂ ظاہر میں الجھ کر نظریں
حسن دیکھا نہ کسی نے مری رسوائی کا

نظر میں ہیچ ہے گلشن تمام دنیا کا — نہ پوچھ! حوصلۂ مرغانِ رشتہ برپا کا
اثر ہی جس میں کہ ہر موج کار فرما کا — وہ ایک قطرہ ہی حاصل تمام دریا کا

نجات روح کو ملتی نہیں ہے نفس سے آہ — بنا ہوا ہے یہ مجنوں، حجاب لیلا کا
ہر ایک ذرے سے نکلے تڑپ کے برقِ جمال — بنے تو کوئی طلبگارِ حسنِ معنیٰ کا
خدا ہی رحم کرے اسکی تشنہ کامی پر — سراب پر جسے کامل یقین ہو دریا کا

رواں اگرچہ ہے اس میں بھی سب وہی جوشِ نمو
مگر ہے قطرے پہ فرض، احترام دریا کا

وہ ہجر کے پردے میں جس وقت کہ واصل تھا — اس درجہ لطافت تھی احساس بھی مشکل تھا
کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا — بیتاب تھیں خود موجیں، لب تشنہ جو ساحل تھا
کیا سیر تھی، میں جب تک آوارۂ ساحل تھا — دریا کی طرح غم تھا، کشتی کی طرح دل تھا
کل اتنی حقیقت تھی، منصورِ انا الحق کی — ناچیز سا اک قطرہ دریا کے مقابل تھا
کونین کا غم دل نے سب لے لیا اپنے سر — آغاز کا دیوانہ، انجام سے غافل تھا
جب غور کیا دم بھر، سب نقش چمک اٹھے — جب آنکھ ذرا کھولی، آئینہ مقابل تھا
دل کیلئے الفت کی قیدیں ہی مناسب تھیں — دیوانہ، یہ ایسی ہی زنجیر کے قابل تھا
خود اپنی تجلی میں جب عشق تھا مستغرق — ہر ثابت و سیارہ مدہوش تھا، غافل تھا

کیا دن تھے جگر! وہ دن جب صحبت اصغرؔ میں
مسرور طبیعت تھی، مسرور مرا دل تھا

سینے سے دل اچھلتے ہی رفعت نشاں ہوا — یہ ذرا جب بلند ہوا، آسماں ہوا
دل مبتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا — اے شانِ عشق! حسن ترا رائگاں ہوا

؎ حضرت مولانا اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

صیاد! دونوں گھر ہیں بس اک گل کے نام کے | تیرا قفس ہوا، کہ مرا آشیاں ہوا
غفلت کے ساتھ ساتھ ہے یہ قیدِ جسم بھی | پھر میں کہاں ہوں؟ اگر مجھے عرفانِ جاں ہوا
صحرائے جستجو سے نہ آگے بڑھے قدم | گم اس کی وسعتوں میں مرا اک کارواں ہوا
صیاد سے چھپا نہ سکی کوئی شاخِ نخل | پہنچی وہیں نگاہ، جہاں آشیاں ہوا
چھوٹا نہ رشتۂ طلبِ دوست ہاتھ سے | میں خاک ہو کے گردِ پسِ کارواں ہوا
تبدیلیِ مقام سے بدلی فضائے عشق | جو درد تھا ابھی، وہی آرامِ جاں ہوا

عالم تمام، میرا ثنا خواں ہوا جگر
میں آپ اپنے شعر کا جب قدرداں ہوا

یہ مزا تھا، خلد میں بھی نہ مجھے قرار ہوتا | جو وہاں بھی آنکھ کھلتی، یہی انتظار ہوتا
میں جنونِ عشق میں یوں ہمہ تن فگار ہوتا | کہ مرے لہو سے پیدا اثرِ بہار ہوتا
مرے رشکِ بے نہایت کو نہ پوچھ! میرے دل سے | تجھے تجھ سے بھی چھپاتا، اگر اختیار ہوتا
مری بیقراریاں ہی تو ہیں اس کی وجہ تسکیں | جو مجھے قرار ہوتا، تو وہ بیقرار ہوتا
جسے چشمِ شوق میری کسی طرح دیکھ پاتی | کبھی حشر تک وہ جلوہ! نہ پھر آشکار ہوتا
یہ دل اور یہ بیانِ غمِ عشق، بے محابا | اگر آپ طرح دیتے، مجھے ناگوار ہوتا
کبھی یہ ملال اس کا نہ دکھے کسی طرح دل | کبھی یہ خیال، وہ بھی یونہیں بیقرار ہوتا

مرا حال ہی جگر! کیا وہ مریضِ عشق ہوں میں
کہ وہ زہر بھی جو دیتا، مجھے سازگار ہوتا

عشق جب صرفِ صلاحِ خارج و تن میں تھا
دفترِ عالم مرے اک گوشۂ دامن میں تھا

آشنا قیدِ مکاں سے کب رہی برقِ جمال؟
ذرّے ذرّے میں ہے، جو وادیٔ ایمن میں تھا

ہم نے تکمیلِ جنوں بھی جلوہ رازِ غم میں کی
دور کیوں جاتے؟ کہ صحرا بھی اسی گلشن میں تھا

مجھ کو سب معلوم ہے افسانۂ برق و کلیم
میرے دل کا ذرّہ ذرّہ وادیٔ ایمن میں تھا

رخصت اے بیگانگی! بس کھل گیا تیرا فریب
اپنا میں دشمن رہا جب تک غمِ دشمن میں تھا

ورنہ ممکن ہی نہ تھا، نظارۂ برقِ جمال
ذوقِ موسیٰ بھی حدودِ وادیٔ ایمن میں تھا

تھا جنونِ عشق خود ہی کارفرما اے جگر!
تو عبث دیوانہ، فکرِ وسعتِ دامن میں تھا

دہر کی نیرنگیوں کا خوب عرفاں ہو گیا
لا، شرابِ کہنہ ساقی! دل پریشاں ہو گیا

محوِ رنگا رنگیٔ صحرائے امکاں ہو گیا
اپنے جلووں میں مقید آپ انساں ہو گیا

برق چمکی تھی کہ برپا جوشِ طوفاں ہو گیا
المدد اے شوق! نظارہ پریشاں ہو گیا

ہر تڑپ کے ساتھ اک جلوہ نمایاں ہو گیا
آج ثابت یار کا قربِ رگِ جاں ہو گیا

ذوقِ سجدہ ہر جبیں سے نمایاں ہو گیا
میں کیا شے ہوں کہ اپنا آپ عنواں ہو گیا

روح قالب سے نکل کر اصل میں گم ہو گئی
نے سے ہوتے ہی جدا، نغمہ پریشاں ہو گیا

انتہائے جستجو میں دیکھیے ہوتا ہے کیا؟
ابتدا یہ ہے کہ ہر ذرّہ بیاباں ہو گیا

روح جب تڑپی، نگاہِ شوقِ عاشق بن گئی
دل جب اچھلا، جلوہ گاہِ حسنِ جاناں ہو گیا

ایک مرکز پر سمٹ آیا جہانِ آرزو
کثرتِ موہوم ہی جب دل پریشاں ہو گیا

کس کو دیکھا پردۂ خاکی میں اپنی جلوہ گر
ڈالتے ہی اک نظر، مغرور انساں ہو گیا

کم نہ تھا یہ عالمِ ہستی، کسی صورت، مگر
وسعتیں دل کی بڑھیں اتنی کہ زنداں ہو گیا

دل کے پرتو بن گئی، سب نقشہائے رنگ رنگ
ایک ذرہ، موجدِ کل بزمِ امکاں ہو گیا

غم نے جنبش قلب کو دی جاگ اٹھی روحِ شوق
ساز چھیڑا درد نے مطرب غزلخواں ہو گیا

چشم پرنم، زلف آشفتہ نگاہیں بیقرار
اس پشیمانی کے صدقے میں پشیماں ہو گیا

زعم تھا ذوقِ نگاہ و جذبِ دل پنہاں کا
محو اک جلوے میں سب وجدان و عرفاں ہو گیا

چھوٹ سکتا تھا کہیں اس جسم سے دامانِ روح
پھر کبھی ملنے کا شاید عہد و پیماں ہو گیا

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
یہ بیاباں جب ہوا عالم بیاباں ہو گیا

ورنہ کیا تھا، صرف ترتیبِ عناصر کے سوا
خاص کچھ بیتابیوں کا نام انساں ہو گیا

یوں بسر کی زندگی میں نے اسیری میں جگر!
ہر طریقہ داخلِ آدابِ زنداں ہو گیا

ب

تیری نگاہِ ناز یا یوں شانِ اضطراب
ہم جانِ دردِ عشق وہم ایمانِ اضطراب

ابتک تو تیرے فیض سے اے عشق معتبر!
داغِ سکوں سے پاک ہے دامانِ اضطراب

تو خود اگر نہیں تو بتا اے نگاہِ شوق
پھر کون ہے؟ یہ سلسلہ جنبانِ اضطراب

ہر چند نجدِ عشق سے اٹھے ہزار قیس
نکلا مگر، نہ ایک بھی شایانِ اضطراب

پھر بھی وہیں چلا تھا جہاں سے دلِ غریب — آغاز ہی پہ لے گیا پایانِ اضطراب

بے وجہ یہ سکونِ محبت نہیں جگرؔ!
اٹھنے کو ہے مگر کوئی طوفانِ اضطراب

ر

ہو چکا، تکملۂ صورت و معنائے بہار — تو بھی اب سامنے آ، او چمن آرائے بہار
میری نظروں میں ہے وہ منظرِ زیبائے بہار — سب بہاریں ہیں جہاں گردِ کفِ پائے بہار
تیرا گلشن ہی نہ بن جائے قفس اے بلبل! — دیکھ محدود نہ کر وسعتِ دنیائے بہار
عکسِ افسردگیٔ شوق سراپائے خزاں — پرتوِ حسنِ نظر صورتِ زیبائے بہار
باہر آنا ہی نہ تھا پردۂ بے رنگی سے — خود خزاں ساز بنی برقِ تجلائے بہار

تیرے دیوانے ہیں آزادِ تعین، ورنہ
یہ خزاں کو بھی جو دیکھیں تو نظر آئے بہار

ن

دل مرا توڑ کر کہا، اُس نے زبانِ راز میں — ساز میں نغمہ وہ کہاں؟ ہے جو شکستِ ساز میں
ہو کے فنائے ذاتِ حق، دل مرا سوز و ساز میں — مرکزِ اصل بن گیا، دائرہ مجاز میں
دونوں جہاں تھے غرق و محو، جس کی نگاہِ ناز میں — ایسا بھی ایک بت ملا بتکدۂ مجاز میں

خاک بھی اُس غریب کی آہ کہ پھر نہ اُڑ سکی
تم نے جسے مٹا دیا، پردۂ امتیاز میں

درد کا دل بڑھائے کون؟ پردہ در اُٹھائے کون
موت کو نیند آ گئی، غم کی حریمِ ناز میں

پھیلے پڑے ہیں جس قدر حسن کی جلوۂ لطیف
جی میں ہے سب سمیٹ لوں دامنِ احتیاز میں

وحدتِ خاص عشق میں ذکر ہی غیریت کا کیا؟
اپنے ہی جلوے دیکھیے اپنی ہی بزمِ ناز میں

یوں ہی مری نگاہ میں نقش و نگارِ کائنات
عالمِ خواب جس طرح، دیدۂ نیم باز میں

حسن بکمالِ عشق کا، کوئی کمال رہ نہ جائے
ناز کا ایک سبق بھی لی درس گہِ نیاز میں

مشرقِ غم سے کر طلوع ایک وہ آفتابِ حسن
ڈوب سکے نہ جو کبھی مغربِ امتیاز میں

دونوں جہاں ہیں زیرِ قدم اول و آخر ہوس
انکو اٹھا، تو پا بھی خاص حریمِ ناز میں

غیر جو تلخ کام ہے اسکے نصیب کی کمی!
مجھ کو تو اک مزا ملا، ہر غمِ جانگداز میں

توڑ کے سب قیودِ عشق چل دلِ ادعا طلب!
با لبِ خشک آہِ سرد اُس کی حریمِ ناز میں

جا بسکون و عیش سے ہاتھ اٹھا کہ بے خبر!
تیری بقا کا راز ہے شورشِ جانگداز میں

اصل سے ہو کے بے خبر ڈھونڈھ نہ اے دلِ حزیں
عیشِ دوامِ عافیت، غم کدۂ مجاز میں

یہ جو تمام نغمہ ہے دعوتِ عام نغمہ ہے
موجِ خرامِ نغمہ ہے نغمہ نہیں ہے ساز میں

میری نیازِ عشق کا ہو ہی رہیگا فیصلہ
آپ کمی نہ کیجیے اپنے جنونِ ناز میں

کام نہ آئیں عقل کی عقدہ کشائیاں جگر!
اور اضافہ ہو گیا سلسلہ ہائے راز میں

ندرت پسند کتنے، عشاق خوش نظر ہیں
سینے تمام ویراں آنکھیں تمام تر ہیں

رنگینیِ الم ہیں، دیکھا ہے جن کو اکثر
اے دل! وہی تو جلوے سرمایۂ نظر ہیں

آساں نہیں گزرنا صحرائے بیخودی سے
ہشیار اہلِ تمکیں! رستے یہ پر خطر ہیں

اپنا نشاں بتائیں کیا رہروانِ غربت
بربادِ جستجو ہیں، پامالِ رہ گزر ہیں

درماندگی کے نالے، بیچارگی کی آہیں
وہ شام کی ہیں رونق، یہ زینتِ سحر ہیں

کیوں آسماں سے مل کر اپنا وقار کھوئیں
کیا کم ہے یہ کہ تیری ہم خاکِ رہ گزر ہیں

بزمِ مشاعرہ ہے، یا گلشنِ تخیل
بلبل چہک رہا ہے، یا حضرتِ جگر ہیں

و

سمجھائے کون؟ بلبلِ غفلت شعار کو
محدود کر لیا ہے، چمن تک بہار کو

عصیاں کی بھی نہ ہو سکی تکمیل مجھ سے آہ
کیا منھ دکھاؤں رحمتِ پروردگار کو

اے دل! جو راہِ عشق میں رکھا ہے تو نے پاؤں
کرنا نہ تنگ دائرۂ اختیار کو

پھر دیکھنا بہار، بیابانِ عشق کی
گلشن بنا چکوں گا جب اس خارزار کو

بھڑکا رہا ہوں آتشِ عصیاں ہر ایک سمت
پھیلا رہا ہوں رحمتِ پروردگار کو

بیخودی کا نہ ہوا شک کسی بیگانے کو
فطرتِ عشق سنبھالے رہی دیوانے کو

جب سے معلوم کیا، دل کے نہاں خانے کو
آنکھ اٹھانے کی بھی فرصت نہیں دیوانے کو

عشق معصوم صفت حسن تقاہت دشمن — مختصر کون کرے شوق کے افسانے کو

پی کے اک جام وہ جلوے نظر آئے مجھ کو — دیکھتا ہوں کبھی خم کو، کبھی میخانے کو

بجلیاں طور تصور پہ گرانے والے! — پھونکدے پھونکدے ہستی کے سیہ خانے کو

میکشو! مژدہ کہ باقی نہ رہی قیدِ زماں — آج اک موج بہا لے گئی میخانے کو

غیر از دوست نہ تھا ہستیٔ عاشق کا وجود — کم نگاہی نے دیا طول اس افسانے کو

قیس و فرہاد ہوں یا سرمد و منصور و جگر
ہم نے بے مایہ نہ دیکھا کسی دیوانے کو

نگراں کوئی بجز دیدۂ مسحور نہ ہو — جلوہ اس طرح دکھا برق ہو طور نہ ہو

خود ضیا بار جو اک جلوۂ مستور نہ ہو — آئینہ خانۂ عالم میں کہیں نور نہ ہو

رازِ غم فاش نہ ہو عشق جو مجبور نہ ہو — دیکھنا کوئی پسِ پردۂ منصور نہ ہو

آج ہر زخم نظر آتا ہے پیمانہ بدست — اس میں کچھ شعبدۂ نرگسِ مخمور نہ ہو

کھول کر آنکھ ذرا دیکھ تو اے او غافل — تیری ہستی ہی حجابِ رخِ پر نور نہ ہو

خاک ہے سوزِ غمِ عشق کی تاثیر کلیم! — دل کا ہر ذرہ اگر برقِ سرِ طور نہ ہو

جتنے وہ پاس ہیں اتنا ہی نہ ہو پاس کوئی — جتنے وہ دور ہیں اتنا بھی کوئی دور نہ ہو

عین ایمان ہے انا الحق کا ترانہ لیکن — ہے یہی کفر اگر دیدۂ منصور نہ ہو

اس تقید پہ تو عالم ہے یہ آزادی کا — کیا قیامت کرے انساں جو مجبور نہ ہو

ایک اک سانس ہے اس کے لئے پیغامِ حیات — آدمی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو

کوچۂ عشق سے باہر وہ نکل جائے جگر!
جیتے جی خاک میں ملنا جسے منظور نہ ہو

ابھی کچھ روز بھی گزری نہ تھی تخلیقِ انساں کو
ابھارا خود کسی کی مصلحت نے ذوقِ عصیاں کو

ملک اور سجدہ کرتا ایک مشتِ خاکِ انساں کو
کمالاتِ نبوت نے کیا کافر مسلماں کو

کسی صورت نہ ہونے دوں عیاں اسرارِ جاناں کو
جو چاکِ سینہ فرصت دے تو میں سی لوں گریباں کو

خدا رکھے سلامت اس دلِ برباد و ویراں کو
بیاباں میں لئے بیٹھا ہے اک جانِ گلستاں کو

خزاں آتے ہی ٹوٹیں جلوۂ ظاہر کی سب قیدیں
شکستِ رنگ نے پرواز بخشی طائرِ جاں کو

غبارِ تمنا ہوں نہ پوچھو میری بربادی
گراں بارِ مصیبت ہوں نہ دیکھو میرے ساماں کو

یہیں سے روز کر لیتے ہیں سیرِ دو جہاں وحشی
خدا رکھے سلامت سایۂ دیوارِ زنداں کو

نہ پوچھی بات بھی اس شوخ کی کافر نگاہی نے
لئے بیٹھا رہا زاہد متاعِ دین و ایماں کو

ابھی آئے جوشِ وحشت کون یہ کہتا ہوا گزرا
ترے دامن کے ٹکڑے یاد کرتے ہیں گریباں کو

عطا کر وہ مذاقِ عشق اے بیگانۂ عالم
کہ تیری آنکھ سے دیکھوں ترے حسنِ نمایاں کو

کمالِ لذتِ ذوقِ اسیری تو کہاں ممکن
بقدرِ ظرف حصہ ملگیا، ہر اہلِ زنداں کو

نہ تھا کوئی حجاب اک لغزشِ مستانہ کے آگے
مآل اندیشیوں ہی نے کیا گمراہ انساں کو

مزاجِ حسن و تکلیفِ تجلی اے معاذ اللہ
بس اے موسیٰ نہ کر اے بیخودی شوقِ تپاں کو

نہیں آئے میں کوئی کس کو ہوا احساسِ نظارہ
تحیر ہے نگاہوں کو تواجد ہے رگِ جاں کو

نکاتِ عشق حل کرتی ہے جنبش نگاہوں کی
زبانِ آگہی سمجھو، سکوتِ اہلِ عرفاں کو

دکھا کر اک جھلک سامانِ راحت جسنے لوٹا تھا نگاہیں ڈھونڈتی ہیں پھر اسی غارت گرِ جاں کو

تغافل بھی کسی کا وجہ تسکیں اے جگر! کیا ہو
سمجھتا ہے یہ دل کمبخت پرسش ہائے پنہاں کو

ی

قدرت کی آن والے! رحمت کی شان والے
تجھ پر جہاں تصدق! او پاک جان والے!

دونوں جہاں کی نعمت ہے مٹھیوں میں تیری
بوسیدہ کپڑوں والے ٹوٹے مکان والے!

ایسے بھی آپ آئی کھولی زبان جس دم
دم بھر میں ہی زباں تھے ساری زبان والے!

روضے پہ اے صبا تو جا کر یہ عرض کر دے
مجبور کب تک آخر ہندوستان والے!

اک جنبشِ نگہ کے، سب منتظر کھڑے ہیں
پر درد قلب والے پُر سوز جان والے

ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی
نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانے کی

چلی کچھ ایسی مخالف ہوا زمانے کی
پناہ برق نے لی میرے آشیانے کی

یہ شرح ہے دلِ عشاق کے فسانے کی
کہ گردشیں اسی محور پہ ہیں زمانے کی

اب آگے دیکھیں کرے کیا ہوا زمانے کی
قفس میں طرح تو ڈالی ہے آشیانے کی

جنھیں سمجھتے ہو نیرنگیاں زمانے کی
جدا جدا ہیں یہ شرحیں مری فسانے کی

یہ بزمِ دل خس و خاشاک پر نہیں موقوف — اجڑ کے بھی ہی رونق ہے آشیانے کی
خزاں فسردگیِ شوقِ ناتمام مری — بہار ہستیِ ناقص مرے فسانے کی
تعینات کے ہیں وصل و ہجر دو پہلو — حیات و موت ہیں دو کروٹیں زمانے کی
زبانِ عجز کجا؟ انکشافِ راز کجا؟
کھلی نہ مجھ پہ حقیقت مرے فسانے کی

ہر پردۂ ہستی میں جب تو متشکل ہے — حیراں ہوں میں جلوہ پھر کونسا باطل ہے؟
صحرا ہی نہ بستی ہی دریا ہی نہ ساحل ہے — جو کچھ نظر آتا ہے اک شعبدۂ دل ہے
کیا چیز ہی کل عالم؟ کیا چیز مرا دل ہے — حیرت کا اک آئینہ حیرت کے مقابل ہے
حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بیچ میں حائل ہے — میرا ترا، رشتہ تو بے واسطۂ دل ہے
خود شورشِ ہستی ہے تمہید فنا یعنی — ہنگامۂ محفل ہی، برہم زنِ محفل ہے
جسمیں کہ ترے جلوے خود تیرتے پھرتے ہیں — اس خون کا ہر قطرہ کونین کا حاصل ہے
وسعت نے نگاہوں کی تاریک کیا منظر
ایک ایک قدم ورنہ خود دشت میں منزل ہے

جدھر کو جھوم کے مستِ شراب دیکھیں گے — تمام زہد ربائی، خراب دیکھیں گے
بغور عالمِ ہستی پہ جب کریں گے نگاہ — ہر ایک موج کو موجِ سراب دیکھیں گے
بھرے ہیں جنکی ہر اک رگ میں بیدلی نغمے — وہ خاکِ محفلِ چنگ و رباب دیکھیں گے
ادب مقابلہ داں، شوق مصلحت دشمن — خبر نہیں کہ کسے کامیاب دیکھیں گے

جگر کی بادہ کشی ان دنوں معاذاللہ
جب آپ دیکھیں گے غرق شراب دیکھیں گے

چشم نظر پرست میں جسکا جہاں نام ہے
حسن تمام یار کا جلوۂ نا تمام ہے

کس کے فروغ حسن کا آج یہ فیض عام ہے
شام نثار صبح ہے صبح نثار شام ہے

خلوتیان راز کا خاص یہ اک پیام ہے
کیف وصال دوست بھی منزل ناتمام ہے

حسن کی بارگاہ میں رکھئے سنبھال کر قدم
یہ وہ مقام ہے جہاں خواہش دل حرام ہے

گرمی سوز عشق سے دل کو جلا تو لو مگر!
صبح کو بھی نہ بجھ سکے یہ وہ چراغ شام ہے

شوق کی انتہا کہو یا فریب عاشقی!
شور انا الحبیب کا خاصہ مقام ہے

ایک بلا کی بیخودی ایک غضب کی بیحسی
دور حیات کہتے ہیں جسکو وہ دور جام ہے

بندگی جنوں ادا بیخودی ادب سرشت
حسن کی اصطلاح میں عشق اسی کا نام ہے

ایک ادائی پر سکوت لاکھ نوائے پر خروش
وہ روش خاص بھی یہ روش عوام ہے

شیفتۂ صفات کو کوئی سکون ہو تو ہو
عاشق ذات کو کہاں ایک جگہ قیام ہے

اب تو خدا کے واسطے زیست کا دور جگر ثبوت
خواب گراں وہی ہے اور وقت قریب شام ہے

سوز میں بھی وہی اک نغمہ ہے جو ساز میں ہے
فرق نزدیک کی اور دور کی آواز میں ہے

یہ سبب ہے کہ تڑپ سینۂ ہر ساز میں ہے
میری آواز بھی شامل تری آواز میں ہے

جو نہ صورت میں نہ معنی میں نہ آواز میں ہے
دل کی مستی بھی اسی سلسلۂ راز میں ہے

ہمہ تن محو دل اک نغمۂ بے ساز میں ہے
اب نہ مطرب میں کوئی فرق نہ آواز میں ہے

عاشقوں کے دلِ مجروح سے کوئی پوچھے
وہ جو اک لطف نگاہِ غلط انداز میں ہے

گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ
سن رہا ہوں میں نغمہ جو ابھی ساز میں ہے

حسنِ انجام یہ کس طرح تصدق کر دوں
وہ جو اک لطف ہر اک لغزشِ آغاز میں ہے

حرم و دیر نظر آتے ہیں سب سر بہ سجود
جلوہ گر کون؟ مرے شوق جبیں ساز میں ہے

کیونکر نہ روشن تجھ سے ہوں کون و مکانِ عاشقی
تو شمعِ بزمِ آرزو، تو نورِ جانِ عاشقی

اللہ رے سوزِ دل خوں گشتگانِ عاشقی
پنہاں ہے اب تک خاک میں سوزِ فغانِ عاشقی

لیکر ازل ہی سے چلے، شوریدگانِ عاشقی
نشتر بجانِ آرزو، آتش بجانِ عاشقی

کیا قصۂ جورِ فلک؟ کیا داستانِ عاشقی
سب جانتی ہے وہ نظر، دردِ نہانِ عاشقی

ناکام ہیں اب تک رہے بدنام ہیں اب تک رہے
ہم بیکسانِ بیکسی، ہم عاشقانِ عاشقی

گو لب پہ آہِ سرد ہے، چہرہ بھی غم سے زرد ہے
پھر بھی یہی اک درد ہے آرامِ جانِ عاشقی

اٹھنے کو ہیں انکی نظر ہونے کو ہے وہ آنکھ تر
ہاں تیز کر دے نیشتر! سازِ نہانِ عاشقی

برہم ادھر بزمِ جہاں تاراج باغ و آشیاں
طاری وہی اب تک یہاں خوابِ گرانِ عاشقی

انکی نگاہِ لطف ہے اور کشفِ رازِ دلبری
میری نگاہِ شوق ہے اور داستانِ عاشقی

آؤ جہاں برہم کریں پیدا نیا عالم کریں
تم جانِ جانِ حسن ہو ہم جانِ جانِ عاشقی

یہ مصرعِ حسرت[ح] جگر! نشتر سے بھی ہے تیز تر
سیراب غم کر دے کہیں پیرِ مغانِ عاشقی

ح جناب مولانا حسرت موہانی ۱۲ جگر

وہ بزم تماشا بھی کیا بزم تماشا ہے　　جو جلوہ ہی پردا ہی جو پردا ہی جلوہ ہے
یہ حسن طلب ہی کا، اک جلوۂ رعنا ہے　　کس نے اسے دیکھا ہے؟ کس نے اسے پایا ہے
دنیا، یہ اسی کی ہے، عالم یہ اسی کا ہے　　جو آپ ہی مجنوں ہے جو آپ ہی لیلا ہے
آغاز محبت کا، انجام بس اتنا ہے　　جب دل میں تمنا تھی اب دل ہی تمنا ہے
بیکار ہے، اے مجنوں! یہ پیکر آب و گل　　اس چیز کا طالب بن جو دل میں لیلا ہے
کیا حسن کا افسانہ محدود ہو لفظوں میں　　آنکھیں ہی کہیں اسکو آنکھوں نے جو دیکھا ہے
کہنے کو لئے کہہ لیں سب کچھ اسے اہل دل　　خود ورنہ، محبت بھی اک طرح کا پردا ہے
اس دور میں مجنوں ہی کوئی نہ رہا ورنہ　　اب تک وہی محمل ہے اب تک وہی لیلا ہے

بھر دو انہیں جلووں سے یا آگ لگا دو تم
آنکھیں بھی تمہاری ہیں سینہ بھی تمہارا ہے

تاثیر محبت کی اللہ رے مجبوری　　ہر بعد میں اک قربت ہر قربت میں اک دوری
یوں محو فنا ہو جائے دل راہ الفت میں　　ہر سانس سے پیدا ہو اک نغمۂ منصوری
کل ہستی عالم پر طاری ہیں صفات اس کے　　سب کہنے کی باتیں ہیں مختاری و مجبوری
خود اپنے لئے بلبل، تجویز قفس کر لے　　اسیر بھی جو کھل جائے صیاد کی مجبوری

تو نے ہی جب اے گل! اس کو مٹی میں ملایا ہے
ورنہ یہ دل تھا اک آئینہ نوری

آدمی نشۂ غفلت میں بھلا دیتا ہے　　ورنہ جو سانس ہے تعلیم فنا دیتا ہے

تجھ سے میں دور کسی وقت نہیں ہوں غافل! ‏ دل میں بیٹھا ہوا کوئی، یہ صدا دیتا ہے
بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی! لیکن ‏ اور ہی کچھ ترے ہاتھوں سے مزا دیتا ہے
پھر شرابی تری آنکھوں کے نہ چونکے تا حشر ‏ کوئی اس طرح سے ہوش اُڑا دیتا ہے
جھلملاتے ہوئے تاروں کا یہ اللہ رے فیض ‏ سامنے سے کوئی پردہ سا ہٹا دیتا ہے
تجھ سے وحشی ترے غافل نہیں رہنے پاتے ‏ روز آکر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

ہائے کیا چیز گلِ داغِ محبت ہے جگر!
خشک ہونے پہ بھی جو بوئے وفا دیتا ہے

زندہ ہوں کہ غزل بھی مری رندانہ ہے ‏ معنی و لفظ نہیں بادہ و پیمانہ ہے
اپنی ہستی کے جو انوار سے بیگانہ ہے ‏ وہ فقط چند حجابات کا دیوانہ ہے
ہجرِ جاناں میں غضب شورشِ مستانہ ہے ‏ روح قالب میں نہیں قید میں دیوانہ ہے
سلسلہ روزِ ازل سے ہے برابر جاری ‏ نہیں معلوم کہاں تک مرا افسانہ ہے
حیرتِ عشق بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ ‏ نہ یگانہ ہے یہاں کوئی نہ بیگانہ ہے
چھیڑ اے مطربِ غم! تازہ غزل کوئی مگر ‏ یہ نہ معلوم ہو مجھکو، مرا افسانہ ہے
کل جہاں گرم تھا، ہنگامۂ تاثیر و نظر ‏ آج دیکھا، تو بس اک دشت ہے ویرانہ ہے
بت پرستوں پہ عبث طعن ہے اے شیخ حرم ‏ اپنے بت دیکھ کہ تو آپ ہی بتخانہ ہے
روشِ دہر کا ہر نقش پکارے گا مجھے ‏ یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہے
واہ کیا مست غزل تو نے پڑھی آج جگر ‏ ایک اک لفظ چھلکتا ہوا پیمانہ ہے

دلِ حزیں کی تمنا، دلِ حزیں میں رہی　　یہ حسن زمیں کی تھی دنیا اُسی زمیں میں رہی
حجاب بن نہ گئی ہوں حقیقتیں باہم　　کہ بے سبب تو کشاکش نہ کفر و دیں میں رہی
سرِ نیاز، نہ جب تک کسی کے در پہ جھکا　　برابر ایک خلش سی مری جبیں میں رہی
ہوس نے بھر دیے اس درجہ خواہشاتِ بت　　ذرا سی بھی نہ جگہ کعبۂ یقیں میں رہی
بقیدِ ظرف مے بندگی کا جوش رہا　　کہ راز بن کے دلِ صورت آفریں میں رہی
عدم میں بھی مری ہستی کی تھی یہ شانِ وجود　　کہ راز بن کے دلِ صورت آفریں میں رہی
نگاہِ حضرت اصغرؔ کی ہر ودیعتِ خاص*　　قرار بن کے جگرؔ کے دلِ حزیں میں رہی

کیا بلا عشقِ تماشہ ساز ہے　　اس کا ہر انجام اک آغاز ہے
موت پر حیرانی و حیرت ہی کیا!　　زندگی، خود اک طلسمِ راز ہے
روح ہے، اک نغمۂ سازِ الست　　جسمِ خاکی، پردۂ آواز ہے
ان کو اپنی شانِ رحمت پر غرور　　مجھ کو اپنی بے بسی پر ناز ہے
لفظ و معنی، جسکو چھو سکتے نہیں　　وہ مرا افسانۂ آغاز ہے
لب تک اے صیاد آسکتی نہیں　　دل میں جتنی، حسرتِ پرواز ہے
یوں نہ دیکھے کوئی، تو کچھ بھی نہیں　　ورنہ ہر ذرہ، طلسمِ راز ہے
ہوشیار، اے طائرِ جاں، ہوشیار　　اس گلستاں کی ہوا ناساز ہے

؎ حضرت مولانا اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

ترہستیِ دو عالم کچھ نہ پوچھ
ابتدا سے انتہا تک راز ہے

اضطرابِ دل بھی کیا شے ہے کہ اب
بے پر و بالی، پَرِ پرواز ہے

زندگی کیا ہے؟ نمودِ عاشقی
عشق کیا ہے؟ حسن کا آغاز ہے

زندگی جس سے عبارت ہے جگرؔ!
وہ کسی کی ایک نگاہِ ناز ہے

مسرور ہوں کیفِ دردِ جگری سے
کچھ کام اثر سے ہے نہ اب بے اثری سے

کہتے ہیں جسے اہلِ نظر، ہوش کی دنیا
کچھ کچھ ہے خبردار مری بے خبری سے

وہ بن گئے سب سینہ گردوں کے ستارے
بھڑکے تھے جو شعلے مرے داغِ جگری سے

پھولوں کا نہ وہ رنگ، نہ بلبل کے انداز
عالم ہے مبدل مری حرماں نظری سے

ہر چیز پہ پڑتی ہیں تحیر کی نگاہیں
چھوٹا ہوں جو اب سلسلۂ بیخبری سے

جب آہ مری نابِ اثر دیکھ چکی سب
تب جا کے ہوا ربط کہیں بے اثری سے

سمجھا گیا، اک جلوۂ بے تاب کسی کا
جو راز، کہ محجوب تھا، فہمِ بشری سے

دل خون ہوا جاتا ہے، لب پر ہے تبسم
ہم جان فدا کرتے ہیں کس بے جگری سے

للہ جگرؔ! اب تو ذرا ہوش میں آ جا
تنگ آ گئے احباب، تری بے خبری سے

سنا ہے حشر میں اک حسنِ عالمگیر دیکھیں گے
خدا جانے تجھے یا اپنی ہی تصویر دیکھیں گے

دلِ برباد ہی میں حسن کی تعمیر دیکھیں گے
اسی برگِ خزاں دیدہ پر اک تصویر دیکھیں گے

جدا ہرگز نہ حسن و عشق کی تصویر دیکھیں گے
وہ جب دیکھیں گے میری خاک دامن گیر دیکھیں گے

اگر فرصت ملی عرفانِ تاثیرِ محبت سے
تجھے بھی ایک دن اے آہ بے تاثیر دیکھیں گے

رہائی ہو نہیں سکتی کبھی قیدِ تعلق سے
جو اک زنجیر ٹوٹی، دوسری زنجیر دیکھیں گے

بغور اس ہستیِ خاکی پہ بھی ہم اک نظر کرلیں
قیامت تک نہ پھر ایسی کوئی تصویر دیکھیں گے

اب اس معمورۂ حیرت سے کیا آئیں ترے آئینہ خانے میں
تری تصویر ہی بن کر تری تصویر دیکھیں گے

کس قدر جامع ہے میرا عالمِ تصویر بھی
حسن کی تشریح بھی ہے عشق کی تفسیر بھی

روح کی رنگینیوں سے جسم بھی ہے فیضیاب
کم نہیں تصویر سے آئینہ تصویر بھی

تو نے نالے عشق میں جتنے کئے اے بےخبر!
ہو گئی اتنی ہی ضائع عشق کی تاثیر بھی

اس کی عالی ہمتی کا کیا ٹھکانا اے جگر!
تنگ ہو جس کے لئے فریاد بھی تاثیر بھی

یہ دوز شعار خزان و بہار کے
دو سلسلے ہیں اک نگہِ فتنہ کار کے

وارفتگانِ عشق ہوں ہم رنگ کس طرح
عالم جدا جدا ہیں نگہ ہائے یار کے

ہم نے دیا تعلقِ اصلی نہ منقطع
مجبوریاں بھی ساتھ چلیں اختیار کے

دیوانۂ جنوں کی وہ ہی ایک سیرگاہ
تھمتے نہیں ہیں پاؤں خیالِ ہوشیار کے

آخر قفس میں اب یہ کھلا ہے معاملہ
ہم اہل تھے خزاں کے نہ رنگِ بہار کے

رگ رگ میں آج دوڑ گئی موجِ سرخوشی
قربان تیری لغزشِ[عہ] مستانہ وار کے

عہ یہ میرے نزدیک صحیح ہے ۱۲ جگر

پہنچا دیا مقامِ قناعت تک اے جگر!
صدقے میں اپنے اس غمِ ہمت شکار کے

در فردوس نظر آنے لگا باز مجھے — دیجئے دیجئے اک اور بھی آواز مجھے
دیکھنا شوخیٔ نیرنگِ محبت کا سلوک — حسنِ انجام میں ہے حسرتِ آغاز مجھے
ایک گوشہ ہی قفس کا مجھے بس ہے صیاد — بال و پر دیں نہ اگر زحمتِ پرواز مجھے

دید کیسی؟ مگر اتنا ہے کہ گاہے گاہے
پردۂ دل سے سنا دیتے ہیں آواز مجھے

ساقی ہے، شراب ہے، سبو ہے — اول وہ بڑھے جو باوضو ہے
مقصود، وہ مقامِ ہو ہے — میں ہوں نہ جہاں نہ یار تو ہے
اپنے کو میں آپ پوجتا ہوں — آئینہ حسن روبرو ہے
کوئی نہ یہاں عدم نہ ہستی — اول آخر، جو کچھ ہے تو ہے

وہ میری طرف بڑھا دے گلچیں!
جن پھولوں میں رنگ ہے نہ بو ہے

خاص اک شان ہے یہ آپ کے دیوانوں کی — دھجیاں خود بخود اڑتی ہیں گریبانوں کی
سخت دشوار حفاظت تھی گریبانوں کی — آبرو موت نے رکھ لی ترے دیوانوں کی
رحم کر اب تو جنوں! جان پہ دیوانوں کی — دھجیاں پاؤں تک آپہنچیں گریبانوں کی
گرد بھی مل نہیں سکتی ترے دیوانوں کی — خاک چھانا کرے اب قیس بیابانوں کی

ہم نے دیکھی تھی ادا کل ترے دیوانوں کی! دھجیاں کچھ لئے بیٹھے تھے گریبانوں کی
ابتدا عشق کی ہے فطرتِ انساں کی نمود انتہا عشق کی تکمیل ہے انسانوں کی
جب سے غش کھا کے گرے حضرتِ موسیٰ سرِ طور گھٹ گئی شان ہی کچھ عشق کے افسانوں کی
دلمیں باقی نہیں وہ جوشِ جنوں ہی پیدا دامنوں کی نہ کمی ہے نہ گریبانوں کی
اُس نے جو آگ لگا دی وہ فروزاں ہی رہی
بجھ گئی آگ لگائی ہوئی ارمانوں کی

جگر پارے

مٹایا جس قدر ہستی کو تقدیریں ہوئیں پیدا ہوئے ہم جس قدر آزاد زنجیریں ہوئیں پیدا

پاس ادب سے چھپ نہ سکا رازِ حسن و عشق جس جا تمہارا نام سنا سر جھکا دیا
جس میں آباد تھی دنیائے محبت میری ہائے اس اشک کا آنکھوں سے جدا ہو جانا
امیدِ عفو کو بھی میں نے اب دل سے مٹا ڈالا یہ تھا اک بدنما دھبا مرے دامانِ عصیاں کا
اس جلوۂ تمام کی ہم کو خبر ہی کیا اک ناتواں سا رشتۂ تارِ نظر ہی کیا
سرِ احساسِ غم اے کاش اتنا تیز ہو جاتا جو چھو جاتی ہوا دل درد سے لبریز ہو جاتا
نہ رکھا دل کو احساسِ گنہ نے مشتعل ورنہ یہی ظلمت کدہ اک دن تجلی خیز ہو جاتا

یہ ساری لذتیں ہیں میرے شوقِ ناکمل تک — قیامت تھی یہ پیمانہ اگر لبریز ہو جاتا

نشہ صہبائے غفلت جب ذرا کچھ کم ہوا — مجھ کو ہر ذرہ مری ہستی کا سازِ غم ہوا
تیرے اسرارِ حقیقت کا وہی محرم ہوا — رہ کے عالم میں بھی جو بیگانۂ عالم ہوا
ربطِ باطن اس کو کہتے ہیں کہ روزِ اولیں
روح مضطر ہی رہی جب تک نہ پیدا غم ہوا

توڑ کر سینہ و دل یار کا پیکاں نکلا — جان نکلی مرے اللہ! کہ ارماں نکلا

تھی حریمِ ناز کے پردوں میں بھی جنبش تمام — ایک رنگ خاص سے جب مضطرب تھا دل مرا
مڑ کے پھر میں نے نہ دیکھا میں جمالِ یار نو — دیکھتی ہی رہ گئی حسرت ہے منزل مرا
بے دلی پر یوں ہراساں تھا کہ یہ مجھ کو خبر
خود نگاہِ ناز ہی اک دن بنے گی دل مرا

عشق کی دسترس ہی کیا جلوۂ بے پناہ تک — اٹھ نہ سکی نگاہ بھی کر نہ سکے اک آہ تک

بیانِ اہلِ دل ہے کب اسیرِ تنگیٔ قال میں — نظر ملی کہ ہو گیا تبادلہ خیال میں

تھی سکونِ یاس میں بھی موجزن اک برقِ حسن — میں یہ سمجھا تھا کہ اب کچھ بھی شریکِ دل نہیں

کس کو رہا ہے، پاسِ عشق کس کو رہے گا پاسِ حسن
حسن میں گم حواسِ عشق، عشق میں گم حواسِ حسن
دیدۂ شوق سے ہوئیں آج وہ گل فشانیاں
ڈوب گئی بہار میں سادگیٔ لباسِ حسن

یکسانِ راہِ الفت کو سمجھتے کیا ہو عرش ہلجائے اگر دل سے یہ فریاد کریں

غفلتوں میں قید کب فطرت کی کاروبار ہیں روح کہتی ہے کہ سوئیں آپ ہم بیدار ہیں
جمع ہیں اضداد تو قائم ہے شانِ امتیاز
کلفتیں ہی مٹ گئیں تو راحتیں بیکار ہیں

قطعہ

مستِ جامِ شراب ہوتا ہوں ہمہ تن آفتاب ہوتا ہوں
کل دکھایا تھا آپ نے جلوہ آج میں بے نقاب ہوتا ہوں

قطعہ

ہو گئے مرگ و زیست سے آزاد حُسنِ انجام اس کو کہتے ہیں
بعد مرنے کے بھی قرار نہیں مرگِ ناکام اس کو کہتے ہیں

برق گرتی ہے کہیں جلتی ہیں شمشیریں کہیں وہ کہیں خود عشوہ فرما انکی تصویریں کہیں
جذبۂ دل رنگ بن کر مائلِ پرواز ہے
لیکے اڑ جائیں مصور کو نہ تصویریں کہیں

جان اُن پر نثار کرتا ہوں ۔۔۔ پیار کی طرح پیار کرتا ہوں
لذتِ گریہ فراق نہ پوچھ ۔۔۔ ہر تبسم نثار کرتا ہوں
عشق کی بے نیاز یاں بنکر
حسن کو بے قرار کرتا ہوں

جو آنسو آنکھ سے ٹپکے وہ نظروں سے نہاں کیوں ہو؟
الٰہی حاصلِ دردِ محبت رائگاں کیوں ہو!
یہی منشائے جاناں ہے تو اظہارِ جاں کیوں ہو؟
کمالِ ضبط بھی اے دل! اک اندازِ بیاں کیوں ہو؟

عقل باریک ہوئی جاتی ہے
روح تاریک ہوئی جاتی ہے

یہ کس سے کلام ہو رہا ہے؟ ۔۔۔ ہر سانس پیام ہو رہا ہے
ہشیار کو کب خبر ہے اُس کو ۔۔۔ غفلت سے جو کام ہو رہا ہے
ہر نقشِ جبینِ عاشقی کا
سجدِ انام ہو رہا ہے

چھپ کے رہ نہیں سکتی، عاشقی وہ مستی ہے
دل ہی بادل اٹھتے ہیں آنکھ سے مے برستی ہے
ہوش کا وہ بندہ، یہ سجدہ ریز مستی ہے
آدمی کی فطرت میں یعنی بت پرستی ہے
بیخبر! ایسی تو ہے دو جہاں کا سرمایہ
یہ جو تیرے سینے میں مضطرب سی ہستی ہے

ناگوارا ہے یہ شانِ جہدِ آزادی مجھے
میں تو مر جاؤں جو کہدے کوئی فریادی مجھے

کیا کیا خیال و وہم نگاہوں پہ چھا گئے
جی دھک سے ہو گیا، یہ سنا جب وہ آگئے

شوق محوِ آرائش، عشق غرقِ وحدت ہے
ایک نظر میں مستی ہے، ایک نظر میں حیرت ہے
کیا مزاجِ دل کہئے؟ دل کی اب یہ صورت ہے
حال ہے نہ بے حالی ہے کچھ عجیب حالت ہے

کسی طرف سے شبِ غم صدا نہیں آتی
پکارتا ہوں قضا کو، قضا نہیں آتی
ترے فراق کے غم نے بچا لیا سب سے
مرے قریب کوئی اب بلا نہیں آتی

ہر قدم پر گر گر کر آدمی سنبھلتا ہے
یعنی خضر بھی کوئی ساتھ ساتھ چلتا ہے

گزر سکے، تو گزر جا البطرز بےخبری! یہ کل جہاں ہے فریب تجلی نظری

میں بتاؤں تجھ کو یہ راز کیا؟ تو اسیرِ دامِ قیود ہے
میں جہاں ہوں نغمہ سرا وہاں نہ وجود ہے نہ شہود ہے

ہوشیار اے دیدۂ گستاخِ عاشق ہوشیار اسکے استغنائے وقتی پر نہ جانا چاہیے
بزمِ ساقی میں نہیں کچھ کام عقل و ہوش کا
مست جانا چاہیے، مدہوش آنا چاہیے

محبت کی پرپیچ راہوں نے مارا تری آڑی ترچھی نگاہوں نے مارا

نہ ہی غرقِ معرفت یہ تو ماورٰی سخن ہے عین قربت پر بھی کتنا بعد روح و تن میں ہے
ہمسے پوچھو وہ کہاں ہے اور کس مسکن میں ہے
درد کی بیتابیوں میں، قلب کی دھڑکن میں ہے

کہاں تک عذابِ محبت اٹھائیں
بس اب تو یہی ہے ہم انھیں بھول جائیں

نغماتِ جگر

یعنی

انتخابِ داغِ جگر
یا
کلامِ دورِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا،
جس رنگ میں دیکھا تجھے، یکتا نظر آیا

جب اُس رُخِ پُر نور کا جلوہ نظر آیا
کعبہ میں نظر آیا، نہ کلیسا نظر آیا

یہ حسن، یہ شوخی، یہ کرشمہ، یہ ادائیں
دنیا نظر آئی مجھے تو کیا نظر آیا

اک سرخوشیِ عشق ہے، اک بیخودیِ شوق
آنکھوں کو خدا جانے مری کیا نظر آیا

جب دیکھ نہ سکتے تھے، تو دریا بھی تھا قطرہ
جب آنکھ کھلی قطرہ بھی دریا نظر آیا

قربان تری شانِ عنایت کے دل و جاں
اس کم نگہی پر مجھے کیا کیا نظر آیا

ہر رنگ ترے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا
ہر نقش ترا نقشِ کفِ پا نظر آیا

آنکھوں نے دکھا دی جو تری غم کی حقیقت
عالم مجھے سارا تہ و بالا نظر آیا

ہر جلوے کو دیکھا، ترے جلووں سے منور
ہر بزم میں، تو انجمن آرا نظر آیا

پیوست دل میں جب ترا تیرِ نظر ہوا
کس کس ادا سے شکوۂ دردِ جگر ہوا

کچھ داغِ دل ہی تھی مجھے امیدِ عشق میں
سو رفتہ رفتہ وہ بھی چراغِ سحر ہوا

تھم تھم کے انکے کان میں جا پہنچی صدائے دل — اڑ اڑ کے رنگِ چہرہ مرا نامہ بر ہوا

سینے میں پھر بھڑکنے لگی آتشِ فراق — دامن سے پھر معاملۂ چشمِ تر ہوا

رگ رگ نے صدقے کر دیا سرمایۂ شکیب — اللہ کس کا خانۂ دل میں گزر ہوا

فریاد کیسی؟ کسکی شکایت؟ کہاں کا حشر؟ — دنیا اُدھر کو اُلٹ پڑی وہ جدھر ہوا

وارفتگیِ شوق کا اللہ رے کمال — جو بیخبر ہوا وہ بڑا باخبر ہوا

حسرت اُس ایک طائرِ بیکس پہ اے جگرؔ!
جو فصلِ گل کے آتے ہی بے بال و پر ہوا

تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں — میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا

دل کو نہ چھیڑ اے غمِ فرقت کہ اب یہ دل — تیرے بھی التفات کے قابل نہیں رہا

اٹھتے ہیں تیری راہ میں جب سے مرے قدم
احساسِ قرب و دوریِ منزل نہیں رہا

تجھ کو تسلیم حسیں ساری جہاں نے کیا — دیکھ کیا کام مری روحِ محبت نے کیا

اللہ اللہ یہ تاثیرِ فغانِ شبِ ہجر
خیر مقدم مرے نالوں کا قیامت نے کیا

ستم کا عدو مستحق ہو گیا — مرا دل سراپا قلق ہو گیا

سنانے چلے تھے انہیں حالِ دل — نظر ملتے ہی رنگ فق ہو گیا

جو کچھ بچ رہا تھا مرا خونِ دل — وہی آسماں پر شفق ہو گیا

چھپائے ہوئے تھے ترا رازِ عشق — مگر اب تو سینہ بھی شق ہوگیا

مری موت سنکر، کیا اُس نے ضبط!
مگر رنگ چہرے کا فق ہوگیا

گھڑی بھر میں نا آشنا ہوگیا — نہ جانے مرے دل کو کیا ہوگیا
دھڑکنے لگا دل، نظر جھک گئی — کبھی ان سے جب سامنا ہوگیا
مرے سر پہ احسان ہے عشق کا — مرا رنگ سا ہی دوسرا ہوگیا
نمایاں ہیں چہرے سے آثارِ عشق — جگر! آج سے باخدا ہوگیا
تری یاد کی اُف یہ سرمستیاں — کوئی جیسے پی کر شراب آگیا
مرا اُن کا بنتا بگڑتا ہی گیا — نگاہیں ملیں، اور حجاب آگیا
اداؤں میں شوخی چھلکنے لگی — قیامت کو لے کر شباب آگیا
اِدھر جوشِ مستی، اُدھر چشمِ شوق — مصیبت میں بندِ نقاب آگیا

جگر! یہ قیامت کی بیہوشیاں
اٹھو سر پہ اب آفتاب آگیا

بغور دیکھ لو انداز میرے مٹنے کے — یہ سانحہ نہ کبھی پھر نظر سے گزریگا

قریب ہے سحر خبر ہاں جگر! ٹھہر جاؤ
سنا ہے قافلۂ عمر ادھر سے گزریگا

تصویر امیدوں کی آئینہ ملالوں کا — انساں جسے کہتے ہیں محشر ہے خیالوں کا
کیا خاک جواب انکو دوں انکے سوالوں کا — رخ تنگ ہیں خونکے منہ نیاز ہے چھالوں کا

ہاں ٹھیس نہ لگ جائے اے دردِ غم فرقت!
دل آئینہ خانہ ہے آئینہ جمالوں کا

دل پہ طاری تیری وحشت کا عالم ہوا — گھٹ گئی اتنی ہی طاقت درد جتنا کم ہوا

آہ رو لینے سے بھی کب بوجھ دل کا کم ہوا
جب کسی کی یاد آئی پھر وہی عالم ہوا

حشر کے دن تو گنہگار نہ بخشا جائے — جسنے دیکھا تری آنکھوں کا پشیماں ہونا
پردہ رکھنا تھا جو منظور تو عاشق کیلئے — دامنِ یار کو لازم تھا گریباں ہونا
سن کے افسانۂ غم باغ میں کمھلا گئے پھول — شاق گزرا انہیں بلبل کا غزلخواں ہونا

جس کو نعمت یہ ملے کیوں وہ رہے آزردہ
سو خوشی ایک ترے غم میں پریشاں ہونا

پریشاں ہو گئے نفوں کل وہ اس طرح بکھر جانا — وہ سونے سے چونک اٹھنا وہ لیٹے لیٹے ڈر جانا

ہر اک لرزش پہ چیخ اٹھنا ہر اک جنبش پہ ڈر جانا
قفس تنگ ہے بیبر اسطرح بے بال و پر جانا

نقشِ دنیا کا رنگ مٹایا نہ جائے گا — دل بھی گیا جو زہر تو کھایا نہ جائے گا
سر سے جنونِ عشق کا سایا نہ جائے گا — تم سے بھی یہ طلسم مٹایا نہ جائے گا

دل سے اگر چھپا بھی لیا داغِ آرزو
آنکھوں سے تو یہ راز چھپایا نہ جائے گا

مجھ ناتوانِ عشق کو سمجھا ہی تم نے کیا
دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا

ان کو بلا کے اور پشیماں ہوئے جگر!
یہ کیا خبر تھی، ہوش میں آیا نہ جائے گا

جانِ ہی بے قرار سی، جسم ہے پائمال سا
اب نہ وہ داغ وہ جگر، صرف ہے اک خیال سا

چاہیے عشق میں مجھے آپ ہی کا جمال سا
داغ ہر ایک ہے رسا، زخم ہر اک ہلال سا

جس نے تباہ کیا مجھے وحشی و خستہ حال سا
ہائے وہ شکل چاند سی، ہائے وہ قد نہال سا

دل پہ مرے گرا گئی ہنستے ہی بجلیاں گھٹا
آؤ نظر کے سامنے مجھ کو ہے احتمال سا

ہائے وہ عتاب بار نگی ادائیں نئی شکل
آنکھیں بھی سرخ سرخ سی، چہرہ بھی لال لال سا

اٹھتے ہی پائے یار کے باغ کا باغ اجڑ گیا!
پھول بھی ہیں تباہ سے، سبزہ بھی پائمال سا

حسن کی سحر کاریاں عشق کے دل سے پوچھیے
وصل کبھی ہے ہجر سا، ہجر کبھی وصال سا

گمشدگانِ عشق کی شان بھی کیا عجیب ہے
آنکھ میں اک سرور سا، چہرے پہ اک جلال سا

یاد ہے آج تک مجھے پہلے پہل کی رسم و راہ
کچھ نہیں اجتناب تھا، کچھ تھے احتمال سا

ہم اسیرانِ جنوں سے کوئی پوچھے اگر
جیتے جی قیدِ تعلق سے رہا ہو جانا

نالۂ دل جو سلامت ہے تو کیا مشکل ہے
روز اس کوچے میں اک حشر بپا ہو جانا

خاکِ مجنوں سے یہ آتی ہے صدا میں اب تک
زندگی ہے غمِ دلبر میں فنا ہو جانا

نگہِ شوق نے سب کھینچ لئے بندِ نقاب — سہل سمجھے تھے وہ پابندِ حیا ہو جانا

ہائے وہ ضبطِ محبت کی جفائیں سرِ بزم — دل میں گھٹ گھٹ کے وہ آہوں کا فنا ہو جانا

رشک آتا ہے شہیدانِ وفا پہ مجھ کو
اُن کی قسمت میں تھا کیا جلد شفا ہو جانا

حسرت سے دیکھتا ہوں ہر اک شاخِ گُل کی سمت — یہ ضعف اور ہائے یہ عالم بہار کا

جس پہ برس گئی کبھی برقِ جمالِ یار
ہر ذرہ آفتاب ہے اس کے مزار کا

آج کیا حال ہے یارب سرِ محفل میرا — کہ نکالے لئے جاتا ہے کوئی دل میرا

سوزِ غم دیکھ نہ برباد ہو حاصل میرا — دل کی تصویر ہے ہر آئینۂ دل میرا

صبح تک ہجر میں کیا جانئے کیا ہوتا ہے — شام ہی سے مرے قابو میں نہیں دل میرا

مل گئی عشق میں ایذا طلبی سے راحت — غم ہی اب جان مری درد ہے اب دل میرا

پایا جاتا ہے تری شوخیِ رفتار کا رنگ — کاش پہلو میں دھڑکتا ہی رہے دل میرا

ہائے اس مرد کی قسمت جو ہوا دل کا شریک — ہائے اس دل کا مقدر جو بنا دل میرا

کچھ کھٹکتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر
اب خدا جانے تری یاد ہے یا دل میرا!

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا — جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

ہر چند کر دیا مجھے برباد عشق نے — لیکن انہیں تو شیفتۂ دل بنا دیا

پہلے کہاں یہ ناز تھے، یہ عشوہ و ادا
دل کو دعائیں دو، تمہیں قاتل بنا دیا

آنکھوں کا تھا قصور نہ دل کا قصور تھا
آیا جو میرے سامنے میرا غرور تھا

تاریک مثلِ آہ، جو آنکھوں کا نور تھا
کیا صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا

وہ تھے نہ مجھ سے دور، نہ میں ان سے دور تھا
آتا نہ تھا نظر، تو نظر کا قصور تھا

ہر وقت اک خمار تھا، ہر دم سرور تھا
بوتل بغل میں تھی کہ دلِ ناصبور تھا

کوئی تو درد مندِ دلِ ناصبور تھا
مانا کہ تم نہ تھے، کوئی تم سا ضرور تھا

لگتے ہی ٹھیس ٹوٹ گیا سازِ آرزو
ملتے ہی آنکھ شیشۂ دل چور چور تھا

ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش
شامل کسی کا خونِ تمنا ضرور تھا

ساقی کی چشمِ مست کا کیا کیجئے بیان
اتنا سرور تھا کہ مجھے بھی سرور تھا

پلٹی جو راستے ہی سے اے آہ نامراد
یہ تو بتا کہ بابِ اثر کتنی دور تھا

جس دل کو تم نے لطف سے اپنا بنا لیا
اس دل میں اک چھپا ہوا نشتر ضرور تھا

اس چشمِ مے فروش سے کوئی نہ بچ سکا
سب کو بقدرِ حوصلۂ دل سرور تھا

دیکھا تھا کل جگر کو سرِ راہِ میکدہ
اس درجہ پی گیا تھا کہ نشے میں چور تھا

اللہ ری وارفتگیِ شوق کا عالم
میرا ابھی پتا اب یہ منزل نہیں تھا

کیا قیس کی یہ شوق ہوں نے کیا سحر
محمل میں بھی اب صاحبِ محمل نہیں ملتا

رگ رگ میں دل تھا دلمیں نہاں سوز و ساز تھا
وہ دن بھی کیا تھے جب میں سراپا گداز تھا

وہ مجھ پہ بار تھی، دلِ حسرت طراز تھا
پیہم اِدھر سے ناز، اُدھر سے نیاز تھا

تاثیر جذبِ عشق کو لیلےٰ سے پوچھیے
جو ذرہ خاکِ عشق کا تھا، دلگداز تھا

پہلے جو ختم ہو گئی یہ داستانِ غم
تو میں کہوں گا عرصۂ محشر دراز تھا

کیا کہہ دیا کسی نے کہ ملتے ہی چشمِ شوق
دونوں طرف سے دستِ تمنا دراز تھا

وہ ناز آفریں تھے انھیں اس پہ تھا غرور
میں تھا نیاز مند مجھے اس پہ ناز تھا

اس عشق میں پورا کبھی ارماں نہیں دیکھا
دامن پہ نظر کی تو گریباں نہیں دیکھا

تازہ اثر لئے جذبۂ پنہاں نہیں دیکھا
مدت ہوئی شمشیر کو عریاں نہیں دیکھا

اللہ ری مجبوریِ آدابِ محبت
گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا

بیکار گئی سعیِ محبت بھی ہماری
حاصل بجز اک دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

اللہ ری مری تیز روی جوشِ جنوں میں
ہر گام جو نظر کی، تو بیاباں نہیں دیکھا

دل تھا نہ جان تھی، سوز نہ تھا ساز نہ تھا
یہ ہی میں تھا مرے ہمراہ کوئی راز نہ تھا

دم بخود رہ گئی بلبل ہی چمن میں ورنہ
کونسا پھول تھا جو گوش برآواز نہ تھا

ہم تھے اور سامنے اک جلوۂ حیرت افزا
پردہ تھا، اور کوئی پردہ برانداز نہ تھا

حسرت اس طائرِ مایوس کی حالت پہ کہ جو
قیدی چھوٹ کے بھی مائلِ پرواز نہ تھا

شریکِ نالہ میرا بھی جو اندازِ فغاں ہوتا — چمن میں ہر لبِ خاموشِ بلبل کی زباں ہوتا
دمِ بسمل اگر یہ زخم چھیڑ دیتے دل کے زخموں کو — لہو کا قطرہ قطرہ دردِ دل کی داستاں ہوتا

بہت روکا تمہارے وعدۂ دیدار نے ورنہ
وہاں ہوتی نہ میری بیخودی بھی میں جہاں ہوتا

خلوت میں غمِ فرقت اس طرح بیاں ہوتا — وہ میری زباں سنتے میں انکی زباں ہوتا
نکلی سیر اگر یں کبھی ساتھ اُنکے وہاں ہوتا — آنسو بھی وہاں ہوتے دریا بھی رواں ہوتا
یوں رازِ غمِ الفت سینے میں نہاں ہوتا — ہم خود بھی عیاں کرتے تو بھی نہ عیاں ہوتا

اے کاش نہ ہم اٹھتے در سے ترے جیتے جی
جینا بھی یہاں ہوتا مرنا بھی یہاں ہوتا

آنکھوں میں اس طرح سے ترا شوقِ دید تھا — گویا مری نظر میں دلِ ناامید تھا

اللہ ری نشترِ غمِ فرقت کی تیزیاں
رگ رگ میں شور و شیونِ قطع و برید تھا

کمالِ عشق بھی کیا کیا فریب کار ہوا — کہ اپنے پر مجھے اکثر گمانِ یار ہوا
جنوں میں اپنے کو بیٹھے ہیں جیب کے ٹکڑے — خبر نہیں کہ گریباں بھی تار تار ہوا
کہاں کے غمزہ و شوخی کہاں کے ناز و ادا — وہ تیر اور ہی تھا جو جگر کے پار ہوا
اب اس سے بڑھ کے طلسمِ خیال کیا ہوگا — کہ ذرہ ذرہ تصویرِ حسنِ یار ہوا
خزاں نہ تھی چمنستانِ دہر میں کوئی — خود اپنا ضعفِ نظر پردۂ بہار ہوا

راز اس حسن کا ہندو نہ مسلماں سمجھا
کچھ جو سمجھا تو مرا دیدۂ حیراں سمجھا

زخم کو مرہمِ دل، درد کو درماں سمجھا
چارہ گر خوب علاجِ غمِ پنہاں سمجھا

عشق کا راز وہی سوختہ ساماں سمجھا
جس نے دامن کبھی جانا نہ گریباں سمجھا

حشر میں بھی نہ اٹھا آنکھ سے غفلت کا حجاب
اس کو بھی سلسلۂ خوابِ پریشاں سمجھا

اس عشق کے ہاتھوں سے ہرگز نہ مفر دیکھا
اتنی ہی بڑھی حسرت جتنا ہی ادھر دیکھا

تھا کھیل سا پہلے عشق، لیکن جو کھلیں آنکھیں
ڈوبا ہوا رگ رگ میں وہ تیرِ نظر دیکھا

سب ہو گئی اٹھ اٹھ کر اک بار نثارِ شمع
پروانوں نے کیا جانے کیا وقتِ سحر دیکھا

وہ اشک بھری آنکھیں وہ درد بھرے نالے
اللہ نہ دکھلائے جو وقتِ سحر دیکھا

قرباں تری آنکھوں کے صدقے تری نظروں کے
تھا حاصلِ صد ناوک جو زخمِ جگر دیکھا

جاتے رہے دم بھر میں سارے ہی گلے شکوے
اس جانِ تغافل نے جب ایک نظر دیکھا

عہدِ غمِ فرقت میں دل اور جگر کیسے؟
اک زخم ادھر پایا اک داغ ادھر دیکھا

تھا باعثِ رسوائی ہر چند جنوں میرا
آنکھوں کو نہ چین آیا جب تک نہ ادھر دیکھا

اس حسنِ غلط بیں کے سمجھا نہ دل پایا
اُس بت نے نگاہوں کو فردوسِ نظر دیکھا

یوں دل کے تڑپنے کا کچھ تو ہے سبب آخر
یا درد نے کروٹ لی یا تم نے ادھر دیکھا

کیا جانئے کیا گزری؟ ہنگامِ جنوں لیکن
کچھ ہوش جو آیا تو اجڑا ہوا گھر دیکھا

ماتھے پہ پسینا کیوں؟ آنکھوں میں نمی کیسی؟
کچھ خیر تو ہے تم نے کیا حالِ جگر دیکھا؟

کانٹا تھا چشم یاس میں ایک ایک رگ گل — تیرے لیے چمن بھی بیابان نکل گیا
دست جنوں کا ضعف سے اٹھنا محال تھا — کیا جانے کس طرح سے گریباں نکل گیا
دل ہی تو آگ ہو وہی ایسی لگی ہوئی — مانا کہ چشم شوق کا ارماں نکل گیا

جوش جنوں سے کچھ نہ چلی ضبط عشق کی
سو سو جگہ سے آج گریباں نکل گیا

مجھ کو وہ لذت ملی احساس مشکل ہو گیا — رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی دل ہو گیا
اے نگاہ یاس! یہ کیا رنگ محفل ہو گیا — میں نے جب دل کی طرف دیکھا مرا دل ہو گیا
لے ہی تو پہنچی بیخودی شوق بزم یار تک — گو مجھے اک اک قدم ایک ایک منزل ہو گیا

ابتدا وہ تھی کہ تھا جینا محبت میں محال
انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا

جب تو کچھ ظرف ہی آ دل ترے پیمانے کا — راز سمجھانے سے باہر ہو میخانے کا
عرصہ حشر کہاں یہ دل برباد کہاں — وہ بھی چھوٹا سا ایک ٹکڑا اسی ویرانے کا
اس کی تصویر کس طرح نہیں کھینچ سکتی — شمع کیا تجھ سے تعلق ہے جو پروانے کا
جو عدے کی ادائیں نگہ ناز میں ہیں — چشم مخمور میں کل راز ہے میخانے کا

جذبہ شوق نے دم لینے کا موقع نہ دیا
شمع منہ دیکھتی ہی رہ گئی پروانے کا

قدم کیا خاک اٹھتے تھے بس کہ بیچارہ حیران تھا — کہ ہر ذرہ دیار نجد کا تصویر جاناں تھا

خزاں کا وہ دور وہ پژمردہ غنچے، گل افسردہ — چمن لٹتا تھا یا بازار یا کوئی خوابِ پریشاں تھا

انھیں کی اک نگاہِ ناز کے سارے کرشمے تھے — نہ حسرت میری حسرت تھی نہ ارماں میرا ارماں تھا

وہ حلم اور وہ تواضع اور وہ طرزِ خود فراموشی
خدا بخشے جگر کو لاکھ انسانوں کا انساں تھا

فروغِ حسنِ رخِ نکو نے، کیا یہ کیسا انقلاب پیدا
حجاب پر ہے حجاب طاری نقاب سے ہے نقاب پیدا

حیا میں آئے تو رنگِ مستی، ادا میں ہو تو حجاب پیدا
وہ آنکھ خود ہی بنے گی ساقی، نظر کرے گی شراب پیدا

سنیں تو وہ میرا قصۂ غم، نہیں تو وہ درد دل کے محرم
کرے گا ایک ایک اشکِ حسرت، ہزار چشم پر آب پیدا

کہاں کا میخانہ کس کا ساقی، کچھ اور بڑھنے دو بیخودی کو
یہی بنائے گی جام و ساغر یہی کرے گی شراب پیدا

نظر کی ناکامیوں نے مجھ پر یہ راز ظاہر کیا بالآخر
کہ بے حجابی میں بھی ہے تیری، ہزار رنگِ حجاب پیدا

تڑپ یہ دل کی کہ بےکسی بھی، ہزار جاں سے نثار جس پر
سکون ایسا، کہ جس کی ہر ہر ادا سے لاکھ اضطراب پیدا

یہی ہے سب سے بڑھ کر محرمِ اسرار ہو جانا ... میسر ہو اگر اپنا ہمیں دیدار ہو جانا
محبت میں کہاں ممکن ذلیل و خوار ہو جانا ... کہ پہلی شرط ہے انسان کا خوددار ہو جانا
کھلے گا چارہ گر پر رازِ غم کیا درد کیسے ہوتے ... کہ آتا ہی اسے خود نبض کی رفتار ہو جانا
ہوا کا اس طرف انکی نقابِ رخ الٹ دینا ... ادھر اک اک لہو کی بوند کا سرشار ہو جانا
اثر لینا تھا ہم کو ہر ادائے حسن سے انکی ... مگر لازم نہ تھا رسوا سرِ بازار ہو جانا
گریں ہر ہر قدم پر بجلیاں راہِ محبت میں ... بڑی مشکل ہے آیا طالبِ دیدار ہو جانا
ادھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اٹھ جانا ... ادھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بیکار ہو جانا
وصال و ہجر کے جھگڑوں نے فرصت ہی نہ دی ورنہ ... مآلِ عاشقی تھا روح کا بیدار ہو جانا
زباں گو بند ہے لیکن تلاطم ہے ہی برپا ... نہ آیا آج تک مجھ کو خیالِ یار ہو جانا

جگر وہ خاک ہی تو سرمۂ چشمِ دو عالم ہے
میسر ہو جسے صرفِ جمالِ یار ہو جانا

کہاں ممکن تھا اس چشمِ عتاب آلود ادھر ہونا ... مگر کام آ گیا میری فغاں کا بے اثر ہونا

گرنے کو ہے اک طوفانِ قیامت زا ہوا ... وہ جو اک آنسو مژہ پر تمہاری ٹھہرا ہوا
اب تو آنکھیں کھول او افتادۂ کوئے حبیب ... جھانکتا ہے کوئی دروازے سے شرماتا ہوا
دیدۂ حق بیں میں کیا فرق، کیا امتیاز؟ ... ایک ہی جلوہ کہیں مجنوں کہیں لیلا ہوا
ذرے ذرے میں تجلی ایک سا موجِ انقلاب ... منظرِ فطرت کو میں دیکھا کیا سہما ہوا

اللہ اللہ یہ کمالِ جذبۂ پنہانِ عشق
جو گرا آنکھوں سے آنسو حسن کا دریا ہوا

بڑھتے بڑھتے آفتابِ روزِ محشر بن گیا
دل کی خاکستر میں اک شعلہ تھا جو بھڑکا ہوا

لے چلا ہوں میں بھی نذرِ حسنِ جاناں کو جگرؔ!
ساتھ دل کے ایک سازِ آرزو ٹوٹا ہوا

ب

صیاد مجھ سے دور ہے، خوش بلبلان ہے اب
جس شاخ پر نگاہ کروں آشیاں ہے اب

نازک لبوں پہ شکوۂ دردِ نہاں ہے اب
ان کا دہن ہے اور ہماری زباں ہے اب

چشمِ طلب میں اور کوئی آشیاں ہے اب
میرے لئے قفس ہے مجھے سارا جہاں ہے اب

دل کی کیا تاب کہ پہنچے صفِ مژگاں کے قریب
جلوے خود لوٹ رہے ہیں رخِ تاباں کے قریب

خون ہو کے بہے جاتے ہیں سب تاب و جگر
کوئی نشتر نہ ہو پوشیدہ رگِ جاں کے قریب

داغِ فرقت ہیں کہ دہکے ہوئے انگارے ہیں
ہاتھ لانا نہ مرے سینۂ سوزاں کے قریب

"تابِ دیدارِ رخِ یار کہاں سے لاؤں
گر پڑی جا کے نظر گوشۂ داماں کے قریب

گر نہیں خارِ محبت کی کرم فرمائی
پھر یہ کیا چیز کھٹکتی ہے رگِ جاں کے قریب

شوق نے توڑ ہی ڈالے ہیں محبت کے قیود
ہوش آیا ہے پہنچ کر درِ جاناں کے قریب

ہو چکے حسرت و امید و الم سب رخصت
اب نہیں کوئی مریضِ شبِ ہجراں کے قریب

جب ہمیں مر گئے ارمان میں پابوسی کے — خاک پہنچی بھی تو کیا گوشۂ داماں کے قریب
عشق میں سیرِ گلِ لالہ ہے تہِ پیرہنوں — چاہیے ایک بیاباں بھی گلستاں کے قریب
ہیں جگر! لاکھ ہوں آوارہ و سرگشتہ مگر
دل ہر اک حال میں ہے حضرتِ احساںؔ کے قریب

پ

صبر کیسا تھا مرا دل بھی لئے جائیں آپ — اس قدر رحم مرے حال پہ فرمائیں آپ
دیکھئے میری تمناؤں کا احسان رہے — باغِ فردوس میں تنہا نہ چلے جائیں آپ
میری رگ رگ میں سما کر بھی یہ پردہ مجھ سے — ظلم ہے ظلم جو آئینے سے شرمائیں آپ
کر دیا دردِ محبت نے مرا کام تمام — اب کسی طرح کی تکلیف نہ فرمائیں آپ
نالے کرتے ہوئے رہ رہ کے یہ آتا ہے خیال
کہ مری طرح نہ دل تھام کے رہ جائیں آپ

ج

لب پہ نالہ ہے مرے اور غزل لب پہ ہے آج — کچھ عجب طرح سے بے چین کوئی یاد ہے آج
کیا قیامت نگہِ یاس کی بیداد ہے آج — کہ نشیمن بھی مجھے خانۂ صیاد ہے آج
بر سرِ رحم وہ شوخِ ستم ایجاد ہے آج — نالہ بھی نالہ ہے فریاد بھی فریاد ہے آج

؎ جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے ایل ایل بی (علیگ) ایڈووکیٹ اعظم گڑھ ۱۲

حسرتِ قید بھی اب دل سے نکل جائیگی — مژدہ اے شوق! کہ خالی کفِ صیاد ہے آج

ایک اک حرف غمِ دل کا سنانا ہے انہیں
کل اگر بھول نہ جاؤں جو مجھے یاد ہے آج

اور ہی کچھ کہہ رہا ہے رنگِ پیمانہ آج — اڑ نہ جائے شمع کو لیکر کہیں پروانہ آج

کام آخر کر گئی وہ نرگسِ مستانہ آج — بھر گیا بے منتِ ساقی مرا پیمانہ آج

جھک گیا ایک ایک میکش اس نگاہِ مست سے
تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا میخانہ آج

د

نظر بھی ساتھ رہی ہے قدم قدم پہ مری — پھرا ہی صحنِ چمن میں جہاں جہاں صیاد

سناؤں آہ کسے میں سرگزشتِ سیرِ چمن
نہ ہم خیال فلک ہے نہ ہم زباں صیاد

ر

ذرے ذرے سے نمایاں شانِ قدرت دیکھ کر — کھل گئیں آنکھیں طلسمِ حسنِ فطرت دیکھ کر

یہ ہجومِ غم یہ اندوہ و مصیبت دیکھ کر — اپنی حالت دیکھتا ہوں انکی صورت دیکھ کر

کیسی حالت ہے بدن میں زرد چہرہ دل اداس — چپ کھڑے ہیں وہ مری خاکِ تربت دیکھ کر

عمر بھر کا ساتھ رنج و غم میں دے سکتا ہے کون　　شمع بھی رخصت ہوئی میری مصیبت دیکھ کر

گوشے گوشے میں ہے پنہاں جلوۂ برقِ جمال　　یادوں کی فضا میں گھر آئے شامِ فرقت دیکھ کر

چارہ سازوں سے مریضِ غم کو فرصت مل گئی
ہو چکے مایوس آثارِ طبیعت دیکھ کر

لالہ و گل کو دیکھتے کیا یہ بہار دیکھ کر　　رہ گئے بیخودی میں ہم صورتِ یار دیکھ کر

ہائے وہ جوشِ ربط و ضبط ہائے وہ بے تعلقی　　اشک بھر آئے آنکھ میں کوچۂ یار دیکھ کر

یاد کسی کی آہ کیا کہہ گئی آ کے کان میں　　زورِ جنوں سوا ہوا جوشِ بہار دیکھ کر

شوق نے کچھ کیا ابھی نہیں حسرتِ دل نکل گئی　　میری طرف بڑھا ہوا دامنِ یار دیکھ کر

ان سے بھی ہو سکا نہ ضبط انکو بھی رحم آ گیا　　پائے برہنہ دیکھ کر جسمِ فگار دیکھ کر

تھی یہ ہوس کہ دیکھتے خال و خط و بہارِ حسن
آنکھیں ہی چندھیا گئیں جلوۂ یار دیکھ کر

س

وہ چمن میرا چمن ہے وہ قفس میرا قفس　　جسکے گوشے گوشے میں مہکا ہا چمن عہدِ قفس

ہائے اُس بلبل کا اے صیاد پھر دیکھا قفس　　بال و پر بکھرے پڑے ہیں آشیاں بنتا قفس

عشق میں کیا لالہ و گل کیا چمن کیسا قفس　　ہیں ہی خود اپنا گلستاں ہیں خود اپنا قفس

سو بہاروں کی ہے جاں اک میری چشمِ خونچکاں　　سارے گلشن کی حقیقت اک مرا تنہا قفس

خاک میں اپنی رسائی جلوہ گاہِ یار تک — حسن کا عالم گلستاں عشق کی دنیا قفس

عشق میں آزاد ہو کر کیا کروں سیرِ بہار — اس گلستاں کو نظر آتا ہے ہر تنکا قفس

اضطرابِ شوق کے ہاتھوں سب برابر ہیں مجھے — کیا بیاباں کیا گلستاں کیا نشیمن کیا قفس

کچھ تو ایسی بات ہے جی میٹھا جاتا ہے مرا — ورنہ اب سے پہلے کیا ہم نے نہ دیکھا تھا قفس

رکھ دیے ہیں سامنے لا کر کمالِ عشق نے — اک طرف صد ہا گلستاں اک طرف صد ہا قفس

تم جدھر نکلے ادھر اک چھا گئی تازہ بہار — ہم جہاں بیٹھے وہیں اک کر لیا پیدا قفس

کیا چمن کا حال مجھ سے پوچھتا ہے ہمنشیں — میرا کل حاصل اسیری میری کل دنیا قفس

باغباں مجھ سے ہے خوش صیاد مجھ پر مہرباں — اب چمن میرا چمن ہے اب قفس میرا قفس

دو ہی دن میں ہو گیا ہے دل میں کیا انقلاب — کل تھا کل عالم گلستاں آج کل دنیا قفس

میں وہ بے خبر متمند بلبل تھا دکھایا مجھ نہ منہ
بوئے گل آ آ کے ڈھونڈا کی قفس سے تا قفس

ص

وہ مست ناز رندانہ آنکھیں وہ سرخ مثلِ گلاب عارض
جو اک مجسم تبسم آنکھیں تو ہے سراپا شباب عارض
دلوں کو بے چین کر رہی ہے بنی ہوئی برق ان کی شوخی
نظر کو خیرہ بنا رہا ہے لئے ہوئے آفتاب عارض

برس رہا ہے یہ رنگِ مستی کہ ہوش باقی نہیں کسی کو
نگاہیں اُن کی جھکی ہوئی ہیں پلا رہا ہے شرابِ عارف

ہم

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم — لپٹے پڑے ہیں لذتِ دردِ نہاں سے ہم
اس درجہ بے قرار تھے دردِ نہاں سے ہم — کچھ دور آگے بڑھ گئے عمرِ رواں سے ہم
کنشک ہیں لگے دور تیرے آستاں سے ہم — اب آ چکے شرط باندھ کے عمرِ رواں سے ہم
اے چارہ ساز حالتِ دردِ نہاں نہ پوچھ — اک راز ہے جو کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم
تقدیر نے اسے بھی نظر سے چھپا دیا — روتے لپٹ کے گردِ پسِ کارواں سے ہم
سو جائیں ہم تو لذتِ آزار پر نثار — باز آئے چارہ سازیِ دردِ نہاں سے ہم
بیٹھے ہی بیٹھے آ گیا کیا جانے کیا خیال — پہروں لپٹ کے روئے دلِ ناتواں سے ہم
پوچھیں گے سرگزشتِ مصیبت کی ابتدا — اب کے اگر ملے دلِ حسرت فشاں سے ہم

بے تابیوں نے کام دیا دستِ ناز کا
آخر لپٹ کے سو گئے دردِ نہاں سے ہم

اللہ ری حسن و عشق کی سحر آفرینیاں — خوش ہو رہے ہیں گھر کا گھر نذر بنا کے ہم
کس کس پہ جان دیجئے کس کس کو چاہئے؟ — گم ہو گئے ہیں بزمِ تمنا میں آ کے ہم
اتنے حجابوں پر تو یہ عالم ہے حسن کا — کیا حال ہو جو دیکھ لیں پردہ اٹھا کے ہم

یہ بے دلی کا زور ہی ساقی کے ہجر میں جی چاہتا ہے پھینک دیں ساغر اٹھا کے ہم

تاثیرِ جذبِ عشق کا اللہ رے کمال!
آئینہ بن گئے تری اک اک ادا کے ہم

ن

سرور کم نہ کبھی ہوگا اب قیامت تک خمِ حجاز کی پی کر شراب آتے ہیں
کوئی یہ جا کے دریا کے پار خبر کر دے خراب حال بحالِ خراب آتے ہیں
کہو یہ حضرتِ موسیٰ سے اب سنبھل جائیں حضور آتے ہیں اور بے نقاب آتے ہیں

وہ رند ہوں کہ صبوحی کے واسطے ہر روز
فرشتے لے کے خمِ آفتاب آتے ہیں

اے کاش وہ حسرت زدہ طور کو ملتی جس آنکھ سے ہم حسنِ تاباں دیکھ رہے ہیں
ہر چند کہ تھمتے نہیں آنسو صفتِ شمع بائے تری محفل کا سماں دیکھ رہے ہیں
پھر آپ نے چھیڑی ہے گیسو کی حکایت ہر چند کہ زورِ خفقاں دیکھ رہے ہیں

تا چند کریں ضبط مرے آبلہ پا
سوکھی ہوئی کانٹوں کی زباں دیکھ رہے ہیں

۵۔ یہ محاورہ اس وقت متروک نہ تھا جب شعر کہا گیا۔ لیکن اب متروک ہے ۱۲

غم سے چھوٹوں تو اُدھر دیکھوں میں — دل کو رو لوں تو جگر دیکھوں میں
نگہِ یاس! اثر دیکھوں میں — دامنِ یار بھی تر دیکھوں میں
آشیاں کے جو اٹھا لوں تنکے — اپنے ٹوٹے ہوئے پر دیکھوں میں
داغ ہی داغ نظر آتے ہیں — کس طرح قلب و جگر دیکھوں میں
دم گھٹا جاتا ہے اے دستِ جنوں! — چاک دامانِ سحر دیکھوں میں
نہ وہ محفل ہے نہ وہ پروانے — خاک اے شمعِ سحر دیکھوں میں
دلِ دیوانہ! یہ قسمت میری — کہ تجھے خاک بسر دیکھوں میں
شمع ہی ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں — کاش انھیں ایک نظر دیکھوں میں

چھوٹ جاؤں جو غمِ ہستی سے
بھول کر بھی نہ اِدھر دیکھوں میں

عرش سے ہو کے جو مایوس دعائیں آئیں — میں یہ سمجھا کہ مرے گھر کی بلائیں آئیں
میں نے جب شرم سے محشر میں جھکا لی گردن — بخشوانے کو مجھے میری خطائیں آئیں
کیجیے اور کوئی ظلم اگر ضد ہے یہی — لیجیے اور مرے لب پہ دعائیں آئیں
نہ کہوں یاد دلایا گیا افسانۂ غم! — دل اگر خاک ہوا دل کی صدائیں آئیں
کبھی سینے کا ابھر کبھی پر شاید — آج اس طرح سے ناساز ہوائیں آئیں
افسانہ تو کچھ شبِ غم شام سے لے کر تا صبح — کیا کہیں کیا مرے کانوں میں صدائیں آئیں
کس نے جب مرحلۂ عشق کیا ختم جگر! — مرحبا کی مرے کانوں میں صدائیں آئیں

اُس کوچے میں ہوں صورتِ یک نقشِ وفا میں — دنیا نے مٹایا مجھے لیکن نہ مٹا میں
بن بن کے مٹاؤ نہ مرا نقشۂ ہستی — مٹ مٹ کے بنا ہوں ہمہ تن نقشِ وفا میں
اے اہلِ حقیقت! مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ
طے کر کے چلا آتا ہوں میدانِ وفا میں

سراپا آرزو ہوں درد ہوں داغِ تمنا ہوں — مجھے دنیا سے کیا مطلب کہ میں آپ اپنی دنیا ہوں
کبھی کیفِ مجسم ہوں کبھی شوقِ سراپا ہوں — خدا جانے کہ کس کا درد ہوں کس کی تمنا ہوں
مجھے جنبش میں کیا لائیگی موجِ سرِ عالم — حریمِ قدس کہتے ہیں جسے میں اسکا پردا ہوں
مجھی میں حسن کا عالم مجھی میں عشق کی دنیا
نثار اپنے پہ ہو جاؤں اگر سو بار پیدا ہوں
لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں فریاد نہیں — پھر بھی کہتے ہیں کہ تو لائقِ بیداد نہیں

ضبطِ غم کا متحمل دلِ مہجور نہیں — اب یہ جی ہی سے گزر جائے تو کچھ دور نہیں
طلبِ خلد نہیں، آرزوئے حور نہیں — تم جو مل جاؤ، تو پھر مجھے منظور نہیں
اللہ اللہ ری یہ رنگِ حقیقت کی بہار — کون سا خون کا قطرہ ہے جو منصور نہیں
نشۂ عشق کا ہی پڑا آج گریباں پہ ہاتھ — میں سمجھتا تھا کہ یہ فاصلہ کچھ دور نہیں
دل کے ہوتے ہوئے جاتے ہو کہاں اے موسیٰ!
اس میں کچھ جلوے ہیں ایسے کہ سرِ طور نہیں

کیا گیا خیال دلِ بیقرار میں	خود آشیاں کو آگ لگا دی بہار میں
محشر میں عرضِ شوق کی امید کیا کریں	دل ہی تو ہے رہا نہ رہا اختیار میں
وحشتِ جنونِ عشق کی گلکاریاں نہ پوچھ	ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں
صورت دکھا کے پھر مجھے بیتاب کر دیا	اک لطف آ چلا تھا غمِ انتظار میں
رگ رگ میں دل ہے دل میں تڑپ دردِ عشق کی	محشر بنا ہوا ہوں تمنائے یار میں

تھم تھم کے دل سے چھیڑ ہو تیرِ نگاہِ یار!
کیا لطف جب ہمیں نہ رہے اختیار میں

چھوڑا نہ تپِ عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں	دل سے جو لگی آگ بجھی جا کے جگر میں
اب شمع بھی بجھتی ہے مرا دم بھی لبوں پر	کیا دیر ہے یا رب! شبِ فرقت کی سحر میں

پھر برق سے مجھ کو نہ رہے کوئی شکایت
ایسی ہی لگے آگ جو صیاد کے گھر میں

یہی کہہ کے تسلیِ دلِ ناشاد کرتے ہیں	کہ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے وہ خود یاد کرتے ہیں

بنا کر اپنے ہاتھوں آشیاں برباد کرتے ہیں
جو تیرا کام تھا وہ بھی ہم اے صیاد کرتے ہیں

اچھا ہے پاس اگر کوئی غمخوار بھی نہیں	اب میرا حال لائقِ اظہار بھی نہیں
حسرت ہے اب نگہ طرفِ یار بھی نہیں	یعنی کہ ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
دامان و جیب ہو گئے نذرِ جنوں تمام	باقی کفن کے واسطے اک تار بھی نہیں

صیاد میری دم سی ہیں سارے یہ چہچہے — جب میں نہیں تو رونقِ گلزار بھی نہیں
کچھ یہ کہ عرضِ شوق کی طاقت نہیں مجھے — اور کچھ یہ ہے کہ مصلحتِ یار بھی نہیں
وہ دل کہ جس پہ حرفِ تمنا بھی بار تھا — اب صرفِ شکوہ سنجیِ اغیار بھی نہیں

دل میں ہجومِ شوق کا عالم نہ پوچھیے
گنجائشِ خیالِ رخِ یار بھی نہیں

خوفِ صیاد سے عالم ہے یہ بینیابی کا — کہ ابھی ہوں تو ابھی صحنِ گلستاں میں نہیں

بچ رہا ہو جو کوئی جوشِ جنوں کے ہاتھوں
تار ایسا کوئی اب جیب و گریباں میں نہیں

عنایت کی جس پر نظر دیکھتے ہیں — ہم اس کا دل، اس کا جگر دیکھتے ہیں
وہی راہ چلتے ہیں عشاق ان کے — کہ جس راہ کو پر خطر دیکھتے ہیں

فلک کے ستم آشیاں میں ہم اپنے
سمیٹے ہوئے بال و پر دیکھتے ہیں

ڈوب کر دل میں تری نظریں پیکاں ہو گئیں — رہ گئیں جو دل کے باہر نشترِ جاں ہو گئیں
حسن کی نازش تھیں جتنی سب پشیماں ہو گئیں — جو ترے رخ پہ بکھریں رنگِ گلستاں ہو گئیں
اور بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہو گئیں — ہائے وہ مخمور آنکھیں جب پشیماں ہو گئیں
دھجیاں باقی ہیں جتنی اب مرے کس کام کی — جو گریباں ہو نیوالی تھیں گریباں ہو گئیں
ہو چلی تھیں ہر طرح غم پر وہ نگاہیں تیز تیز — پھر جلانے کیا خیال آیا پشیماں ہو گئیں

عرصہ گاہِ عشق میں آزادیاں کسکو نصیب
خود مری آہیں بھی دیوارِ زنداں ہو گئیں

اب کہاں وہ اپنی تمناؤں کی بزم آرائیاں
آنکھ جھپکی تھی کہ سب خوابِ پریشاں ہو گئیں

ان جنوں سامانیوں پر کیا رہائی کی امید
حسرتیں بھی دفن زیرِ خاکِ زنداں ہو گئیں

عشق کی بے تابیاں کب چھوڑ سکتی ہیں مجھے
فرق اتنا ہے کہ اب آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں

انکی تسکین کیلئے وہ پھول اب دامن میں نہیں
اسطرح ہوں آج گلشن میں کہ گلشن میں نہیں

ہمیں اسیرانِ قفس کو یادِ گلشن بھی نہیں
دوڑتی ہیں بجلیاں سیلابِ خوں تن میں نہیں

وہ گلوں میں تازگی رونق وہ گلشن میں نہیں
خاک سی اڑتی ہے اب جب سے نشیمن میں نہیں

چھوٹنا قیدِ قفس سے کیا تھا مرنا ہو گیا
اب مرا نام بھی راحت نشیمن میں نہیں

اس طرف صیاد کی نظریں ادھر غم جان کے
یا وہ گلشن میں نہیں آتا میں گلشن میں نہیں

دید کے قابل ہے یہ رنگِ گلستاں کی بہار
ڈھونڈتی ہے برق بھی مجھکو نشیمن میں نہیں

کیوں خزاں آئی سر جھکائے مضمحل اشجار ہوں
میری نظروں میں تو رنگ و بو بھی گلشن میں نہیں

رک گئی تیغِ قفس میں نغمۂ بیخود میری زباں
شاید اک تنکا بھی باقی اب نشیمن میں نہیں

جوش وہ رنگینیوں کا انکے پیکاں میں نہیں
کیا کوئی قطرہ لہو کا رگِ جاں میں نہیں

کوئی دیوانہ ہی اس عہدِ پریشاں میں نہیں
ورنہ جو صحرا میں قید ہیں وہ زنداں میں نہیں

فیض سوزِ عشق سے ہی دل سراپا داغ ہو
جو بہار اب مجھ میں ہے سارے گلستاں میں نہیں

نالہ پُر درد ہوئے سوزِ دل، داغِ جگر یہ بہاریں ہیں قفس کی جو گلستاں میں نہیں

پھر نہ دی ہو روح جس میں وحشتِ دل نے مری
ایک ذرہ بھی کوئی ایسا بیاباں میں نہیں

جواب اُن کا کہاں سارے جہاں میں دبی ہیں بجلیاں جو آشیاں میں
لبوں تک جان بھی کھنچ آئی یارب توقف کیا ہے، مرگِ ناگہاں میں؟
جگہ پر اپنی چھوڑ آیا ہوں صیاد!! لہو کے چند قطرے آشیاں میں
اشارہ ہے کسی کی اک نظر کا وگرنہ کیا ہے جانِ ناتواں میں
بتا دے بیخودیِ عشق! اتنا قفس میں ہوں کہ ہوں میں آشیاں میں
حقیقت کھول کر اک دن رہیں گے وہ آنسو جو ہیں چشمِ رازداں میں
پڑی جاتی ہے وحشت ہر قدم پر چھپا جاتا ہوں گردِ کارواں میں
یہ رنگِ اتحاد! اللہ اکبر شبیہِ دل ہے، ہر اشکِ رواں میں
جھرنا کے کبھی جو اٹھ کر ہوش کھویا وہ نغمے ہیں مرے سازِ فغاں میں
رہی لرزاں ہمیشہ اُن سے بجلی جو تنکے بچ رہے تھے آشیاں میں

کئے جا نالے، اے بلبل! کئے جا
قفس بھی مل رہے گا آشیاں میں

یہ نہ پوچھو دہر میں کب سے ہوں اسی طرح خانہ خراب ہوں
جو نہ مٹ سکا، وہ طلسم ہوں، جو نہ اُٹھ سکا وہ حجاب ہوں

نہ مجھے غیر سمجھیں نہ اہل دل، ہمہ تن اگرچہ حجاب ہوں
جو نہاں ہے میری نظر سے بھی میں اُسی کے رخ کی نقاب ہوں

نہ تعلقات کی حد کوئی، نہ توقعات کی حد کوئی!
جو کبھی سمجھ میں نہ آسکے، وہ میں ایک فردِ حساب ہوں

نہ صدائے بلبلِ خوش بیاں، نہ سرودِ بزمِ پری رخاں
جو بھرا ہے نغمۂ درد سے، وہ میں ایک تارِ رباب ہوں

و

کسی نے کچھ نہ سنا درد کے فسانے کو — مرے نہ ہونے سے راحت ہوئی زمانے کو
اب اس میں جان مری جائے یا رہے صیاد — بہار میں تو نہ چھوڑوں گا آشیانے کو
چلا نہ پھر کوئی مجھ پر فریبِ ہستی کا — لحد تک آئی اجل بھی مرے منانے کو
فلک! ذرا مری اس بے بسی کی داد تو دے — قفس میں بیٹھ کے رو دیتا ہوں آشیانے کو
وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا — ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو

قفس کی یاد میں پھر جی یہ چاہتا ہے جگر!
لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو

جب کبھی چھیڑا جنوں نے دیدۂ خونبار کو — بھر دیا پھولوں سے ہم نے دامنِ کہسار کو
ٹھیس لگ جائے نہ اُن کی حسرتِ دیدار کو — اے ہجومِ غم! سنبھلنے دے ذرا بیمار کو

فکر ہے زاہد کو حور و کوثر و تسنیم کی ۴۷ اور ہم جنت سمجھتے ہیں ترے دیدار کو
دیکھنے والے نگاہِ مستِ ساقی کے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ساغرِ سرشار کو
ہر قدم پر ہر روش پر ہر ادا پر ہر جگہ دیکھنا پڑتا ہے اندازِ نگاہِ یار کو
لاکھ سمجھایا جگر کو ایک بھی مانی نہ بات
دھن لگی تھی کوچۂ قاتل کی میرے یار کو

واقفِ غمِ الفت کسے، نہ دل ہو نہ جگر ہو یوں مجھ سے ملو تم کہ مجھے بھی نہ خبر ہو
یہ سر ہو، اور اس شوخ ستمگار کا در ہو اس طرح بسر ہو تو بہت خوب بسر ہو
اس قہر و غضب پر تو فدا دیدہ و دل ہیں کیا حال ہو پھر جو عنایت کی نظر ہو
سر رکھ ہی دیا سنگِ درِ یار پہ ہم نے اب حشر بھی اٹھے تو مجھے کچھ نہ خبر ہو
حالت دلِ مایوس کی دیکھی نہیں جاتی اللہ کرے جلد شبِ غم کی سحر ہو
رہ رہ کے تڑپ جاتی ہے سینے میں کوئی چیز
ایسا نہ ہو بیتاب تمہاری ہی نظر ہو

وفورِ کیف سے دل اتنا بیقرار نہ ہو میں ڈر رہا ہوں کہ مضطر نگاہِ یار نہ ہو
نثار کیا عشق پردہ دار نہ ہو نظر کے سامنے کچھ بھی سوائے یار نہ ہو
نگاہِ یار کا ممکن نہیں کہ وار نہ ہو خود اپنا عیب ہے سینہ اگر فگار نہ ہو
دکھاؤں داغِ محبت جو ہو تصور معاف سناؤں قصۂ فرقت جو ناگوار نہ ہو
کہاں کے سرو و صنوبر کہاں کے لالہ و گل نگاہ ہی میں جو کیفیت بہار نہ ہو

انھیں تو دیکھ کے آئینہ وہم آیا ہے — کہ یہ کسی کی کہیں چشم انتظار نہ ہو
عجب زمانہ ہے کرنا نہیں اسے تسلیم — کسی سبب سے بظاہر جو بیقرار نہ ہو
بس اک نگاہ محبت سے دیکھ لینا ہے — مگر جو خاطر نازک پہ کوئی بار نہ ہو
نصیب دل کو ہو یوں محوِ آرزو ہونا — کہ خود بھی چاہیں اگر وہ تو ہوشیار نہ ہو
بھرے ہوئے ہیں نگاہوں میں حسن کے جلوے — یہ کیا مجال جہاں میں خزاں اور بہار نہ ہو
خیالِ وصل میں کر تو رہا ہوں کچھ باتیں — قریب ہی کہیں لیکن نگاہِ یار نہ ہو
بہ پاس سن کے حضرت اصغرؒ کے اے جگر اشعار
وہ مست ہوں کہ کوئی پی کے بادہ خوار نہ ہو

ی

نہ چھیڑ ان کے تصور میں اے بہار مجھے — کہ بوئے گل بھی ہے اس وقت ناگوار مجھے
تڑپ کے روح نکل جائیگی ابھی صبا — سنا نفس میں نہ کیفیت بہار مجھے
نگاہِ یاس! ذرا تو ہی کام کر اپنا — کہاں وہ چھوڑ کے جاتے ہیں بیقرار مجھے
کسی کا وعدۂ دیدار میرا جذبۂ شوق — بنا نہ دے کہیں تصویرِ انتظار مجھے
ہجوم یاس میں کوشش نہ کوئی کام آئی — تسلیوں نے کیا اور بیقرار مجھے
کہیں مرا دل گم گشتہ ہو نہ خاک بسر — کہ دور تک نظر آتا ہے اک غبار مجھے
جنوں کی خیر ہو یارب کہ ضعف کے ہاتھوں — رہا نہ جیب و گریباں پہ اختیار مجھے

ؔ جناب مولانا اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہا ۲ جگر

رخ پہ جھونکوں سے جو زلفِ دوتا بکھرتی ہے
کیسی بل کھائی ہوئی بادِ صبا پھرتی ہے

پاس جانا دلِ بیتاب سنبھل کر شبِ وصل
نیچی نظروں میں چھری بن کے حیا پھرتی ہے

کچھ ہمیں جانتے ہیں لطف ترے کوچے کے
ورنہ پھرنے کو تو مخلوقِ خدا پھرتی ہے

مرحبا اے جذبۂ دل! حوصلہ اے دردِ فراق!
مجھ سے مل کر نگہِ ہوش ربا پھرتی ہے

بھول سکتا ہوں نہیں ان کی محبت کے مزے
پھرتی آنکھوں میں وہ اک اک ادا پھرتی ہے

دل کو مٹا کے داغِ تمنا دیا مجھے
اے عشق! تیری خیر ہو یہ کیا دیا مجھے

محشر میں بات بھی نہ زباں سے نکل سکی
کیا جھک کے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

میں اور آرزوئے وصالِ پری رخاں
اس عشقِ سادہ لوح نے بہکا دیا مجھے

ہر بار یاس ہجر میں دل کی ہوئی شریک
ہر مرتبہ امید نے دھوکا دیا مجھے

اللہ رے تیغِ عشق کی برہم مزاجیاں
میرے ہی خونِ شوق میں نہلا دیا مجھے

خوش ہوں کہ حسنِ یار نے خود اپنے ہاتھ سے
اک دلفریب داغِ تمنا دیا مجھے

دنیا سے کھو چکا تھا مرا جوشِ انتظار
آوازِ پائے یار نے چونکا دیا مجھے

دعویٰ کیا تھا ضبطِ محبت کا اے جگر!
ظالم نے بات بات پہ تڑپا دیا مجھے

ہم اور ان کے سامنے عرضِ نیازِ عشق
لیکن ہجومِ عشق سے مجبور ہو گئے

آئی ہوئی نہ منزلِ مقصود دیکھ کر!
اتنے ہوئے قریب کہ ہم دور ہو گئے

کچھ بات بن پڑی نہ دلِ دادخواہ سے کیا جانے کیا وہ کہہ گئے نیچی نگاہ سے
کوئی نہ بچ سکا تری قاتل نگاہ سے ذرے بھی صدقے ہوگئے اٹھ اٹھ کے راہ سے

یہ جانتا ہوں جانتے ہو میرا حالِ دل
یہ دیکھتا ہوں دیکھتے ہو کس نگاہ سے

اس درجہ محوِ لذتِ رنج و محن ہوئے ناوک بھی اُس نگاہ کے جزوِ بدن ہوئے
ہر وقت تازہ چاہئیں غم کی نشانیاں جو داغ ابھی مٹے تھے وہ داغِ کہن ہوئے

غربت کا رشک بھی نہ گوارا ہوا جگر!
کہتے ہیں میرے بعد غریب الوطن ہوئے

کیا خبر تھی خلشِ ناز نہ جینے دے گی یہ تری پیار کی آواز نہ جینے دے گی
تیری لاکھ نگاہوں کی ضرورت کیا ہے لطف کی اک نگہ ناز نہ جینے دے گی
چین آتا ہی نہیں مجھ کو قفس میں یارب کیا مری حسرتِ پرواز نہ جینے دے گی

مسلکِ عشق مرا مجھ کو نہ مرنے دے گا
تیری شوخیٔ ستم ناز انہ جینے دے گی

کیا خبر تھی کیا خبر تھی ظالم کی نظر بھی اُف کر کے وہیں بیٹھ گیا درد جگر بھی
ہوتی ہی نہیں کم شبِ فرقت کی سیاہی رخصت ہوئی کیا شام کے ہمراہ سحر بھی
یہ مجرمِ الفت ہے وہ مجرمِ دیدار دل لے کے چلے ہو تو لئے جاؤ نظر بھی
کیا دیکھیں گے ہم جلوۂ محبوب کہ ہم سے دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی

مایوس شبِ ہجر نہ ہو اے دلِ بیتاب　　اللہ دکھائیگا تو دیکھیں گے سحر بھی
جلووں کو ترے دیکھ کے جی چاہ رہا ہے　　آنکھوں میں اتر آئے مرا کیف نظر بھی
واعظ نہ ڈرا مجھ کو قیامت کی سحر ہے　　دیکھی ہے ان آنکھوں نے قیامت کی سحر بھی
اس دل کے تصدق جو محبت سے بھرا ہو　　اس در دکے صدقے جو اِدھر بھی ہو اُدھر بھی

ہے فیصلۂ عشق ہی منظور تو اٹھیے
اغیار بھی موجود ہیں حاضر ہے جگر بھی

گر چشمِ آرزو کی حالت یہی رہے گی　　پردے میں بھی کسی کی بے پردگی رہے گی
تم خاک میں ملا دو دل کو جگر کو لیکن　　ارماں یہی رہیں گے حسرت یہی رہے گی

جائے فلک! نہ خوش ہو یہ یاد کر کے مجھ کو
تیرے مزاج میں بھی آشفتگی رہے گی

اداسی طبیعت پہ چھا جائے گی　　انہیں جب مری یاد آ جائے گی
شبِ غم کرشمے دکھا جائے گی　　کبھی آنسوؤں کی رلا جائے گی
مرے بعد ڈھونڈو گے میری وفا　　مرے ساتھ میری وفا جائے گی

مجھے اس کے در پر ہے مرنا ضرور
مری یہ ادا اس کو بھا جائے گی

چیخی ہے کس انداز سے کس کرب و بلا سے　　دل ٹوٹ گیا نالۂ بلبل کی صدا سے
انسان کو لازم ہے رہے دور ریا سے　　یہ چیز جدا کرتی ہے بندے کو خدا سے

جی بسر ہو کس طرح مے ہوش رہا ہے — مستی کو ہی بیعت مری رندانہ ادا سے
اٹھے نہ قدم جادۂ تسلیم و رضا سے — آواز یہ آتی ہے مزار شہدا سے
پھر حسن کے جلووں نے بنا دیا مجھے بیخود — ہشیار ہوا تھا جرس دل کی صدا سے
گزرا ہے دل و جان سے اسی راہ میں کوئی — سجدوں کے نشاں پوچھ لو نقش کف پا سے

بے تابی دل تھی وہ مری آہ جنوں خیز
کانٹے بھی کھٹکتے رہے مجھ آبلہ پا سے

صدموں کی جان درد کا قالب دیا مجھے — جو کچھ دیا کسی نے مناسب دیا مجھے
دنیا جہان بھی تو سوز الم سے جلی ہوئی — دل بھی دیا تو جان کا طالب دیا مجھے

دی تھی میرے سر کو جو شوریدگی عشق
پھر کیوں خیال حفظ مراتب دیا مجھے

اٹھا نہ دیدۂ بلبل سے پردۂ غفلت — ہلاک ہو گئی کمبخت رنگ و بو کے لئے
ہجوم شوق میں دل کے بھی ہو گئے ٹکڑے — مکان تنگ تھا دنیائے آرزو کے لئے

خیال یار! کہاں تک خموشیاں تیری
زباں میں تاب ہے بیتاب گفتگو کے لئے

آہ بھری یہ فغاں اب نہ سنی جائے گی — اب سنو داستاں اب نہ سنی جائے گی
پھر گئی ان کی نظر پھر گئے دنیا سے وہ — دوستی جسم و جاں اب نہ سنی جائے گی
بار پھر درد دل اب نہ کہا جائے گا — درد بھری داستاں اب نہ سنی جائے گی

قصۂ غم کہہ کے میں لیجئے خاموش ہو
تیر دیے ہیں زباں، اب سنی جائیگی

بزم سے با چشم تر اٹھ گئے کہتے ہوئے
ہم سے تری داستاں اب نہ سنی جائیگی

رحم انھیں آگیا میرے دلِ زار پر
یہ رُکشِ آسماں، اب سنی جائے گی

کہہ کے بُرا غیر کو، اُن کو خفا کر دیا
بات جگر کی وہاں اب نہ سنی جائے گی

یہ نہیں تیری آرزو نہ کرے
دل مگر خالی ہائے وہو نہ کرے

گم ہوا ہوں خیالِ جاناں میں
بیخودی میری جستجو نہ کرے

ختم سرمایۂ شکیب ہوا
چھیڑ اب تیری آرزو نہ کرے

ناز کرتے ہیں پھول گلشن میں
کہیں رسوا یہ رنگ و بو نہ کرے

خاک ہے جذبِ عشق کی تاثیر
خامشی بھی جو گفتگو نہ کرے

ڈر ہے تجھ کو کہ میری حیرانی
آئینہ اُن کے روبرو نہ کرے

یاد بھی اُن کی اے جگر صد حیف
پرسشِ داغ آرزو نہ کرے

برسائی آنسوؤں کی جھڑی چشمِ یار نے
کیا اُٹھ کے کہدیا مری خاکِ مزار نے

اے شوقِ مرگ! پھر وہی میں ہوں وہی قفس
آساں کر نہ دی مری مشکل بہار نے

سر میں پھر لہر جنوں کی صفتِ تیر چلی
اے فلک روک مری پاؤں سے زنجیر چلی

صدقے اِن ہاتھوں کے مجھ کو بھی خبر تک نہ ہوئی
اس نزاکت سے گلے پر مرے شمشیر چلی

اب مری لاش پہ کیوں سوگ لئے بیٹھے ہو
تم نے شمشیر چلائی تھی تو شمشیر چلی

برابر کی خلش، خونابہ افشانی مقابل کی
محبت نے بنا دی ایک حالت دیدۂ دل کی

مجھے اے شورِ محشر تو نے کیوں چونکا دیا اُٹھکر
بلائیں لے رہا تھا بیخودی میں اپنے قاتل کی

ضرورت تیرے سائے کی نہیں ہے اے فلک مجھ کو
عنایت چاہتا ہوں گوشۂ دامانِ قاتل کی

نہ توڑ اے دستِ گلچیں! باغ میں پھولوں کی کلیوں کو
کہ ان میں کچھ شباہت پائی جاتی ہے مرے دل کی

اجل! اِک مرتبہ پھر ہوش میں آ جانے دے مجھ کو
ہوس رہ جائے گی دلمیں نوازش ہائے قاتل کی

جگر! میں نے چھپایا لاکھ اپنا دردِ غم لیکن
بیاں کر دیں مری صورت نے سب کیفیتیں دل کی

کسی کے سامنے مشکل ہے عرضِ حال ہوئی
سنبھل سنبھل کے طبیعت مری نڈھال ہوئی

نگاہِ غیر کے صدقے جھکی نہ غیر کی سمت
مجھی پہ تیز ہوئی ہے، مجھی پہ لال ہوئی

مجھے جو عرضِ تمنا پہ کچھ حجاب آیا
مرے سوال کی شرمندگی سوال ہوئی

عاشقی یاس کی محکوم ہوئی جاتی ہے
بیکسی اب مرا مفہوم ہوئی جاتی ہے
دل ہوا خاک تب غم ہی مگر دل کی جگہ
اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
وائے ایذا طلبی شدتِ غم کے ہاتھوں
طاقتِ گریہ بھی معدوم ہوئی جاتی ہے
ہم تو سمجھے تھے غمِ عشق فنا کر دے گی
اب یہ اُمید بھی موہوم ہوئی جاتی ہے
دل ہی دل ہے جو چھٹا جاتا ہے دامن سے ترے
وہی قسمت ہے جو محروم ہوئی جاتی ہے
دل دھڑکنا بھی غنیمت ہے تری فرقت میں
کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
اے جگر بات یہ کیا ہے کہ مری نظروں میں
آج جو چیز ہے معدوم ہوئی جاتی ہے

نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے
دن کٹ گیا تو رات کا کٹنا محال ہے
آنکھوں سے جان جائیے فرقت کا ماجرا!
اشکوں سے پوچھ لیجیے جو دل کا حال ہے

نظر ملتے ہی دل کو وقفِ تسلیم و رضا کر دے
جہاں سے ابتدا کی ہو وہیں تک انتہا کر دے
وفا پر دل کو صدقے جان کو نذرِ جفا کر دے
محبت میں یہ لازم ہے کہ جو کچھ ہو فنا کر دے
چمن دور آشیاں برباد یہ ٹوٹے ہوئے بازو
مرا کیا حال ہو صیاد اگر مجھ کو رہا کر دے
چنے ہیں میں نے بھی کچھ پھول تیرے باغِ ہستی سے
الٰہی تو اگر حسنِ قبول ان کو عطا کر دے

تری مجنوں ادائی ہے جگر! یہ خوف آتا ہے
کہیں ایسا نہ ہو اُن کو بھی عالم آشنا کر دے

شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی — ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی
نگاہوں نے سب رازِ دل کہہ دیا — انھیں آج اپنی خبر ہو گئی
بڑی چیز ہے طرزِ بیگانگی — یہ ترکیب اکثر کارگر ہو گئی
الٰہی بُرا ہو غمِ عشق کا — سُنا ہے کہ اُن کو خبر ہو گئی
کیے مجھ پہ احسانِ غمِ یار نے — ہمیشہ کو نیچی نظر ہو گئی
نمایاں ہوئی صُبحِ پیری جگر!
بس اب داستاں مختصر ہو گئی

کیا لطف پوچھتے ہو پُر شوقِ زندگی کے — جی جی اُٹھا ہوں مر کے مر مر گیا ہوں جی کے
بے حکمِ عشق مر کے بے اذنِ عشق جی کے — کرتے ہیں مفت ضائع اوقات زندگی کے
دیکھا تو اس جگہ پہ آنکھوں میں زخم تازہ — حاصل ہوئی تھی فرصت جس زخمِ دل کو سی کے
فیضِ بہار ہی ہے، عالم یہ تازگی کا — گویا برس رہے ہیں انوار زندگی کے
اک اک نظر پہ پوچھتے ہیں وہ میری حالتِ دل
قرباں اس ادا کے اس بے تعلقی کے

نہ کہیے جور زمانے کے غم اٹھائے ہوئے — ہمیں بہت نہ ستاؤ کہ ہیں ستائے ہوئے
نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے ہیں ہم — مرے جنازے پہ آئے بھی سر جھکائے ہوئے

نگاہِ شوق نے محشر میں صاف تاڑ لیا   کہاں وہ چھپتے کہ آنکھیں تھیں سمائی ہوئے
انھیں میں رازِ محبت کسی کا پنہاں تھا   جو خشک ہو گئے آنسو مژہ تک آئے ہوئے

حدودِ کوچۂ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے

چلے گا کام تمھارا نہ اب نگاہوں سے   کہ ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے
اثر کو بھی نہ رہا ربط، دل کی آہوں سے   خدا پناہ میں رکھے تری نگاہوں سے
کہیں تمھیں بھی نہ پڑ جائے کام آہوں سے   بچے رہو مری حسرت بھری نگاہوں سے
مریضِ ہجر کے چہرے پہ آ گئی رونق   ابھی وہ کہہ گئے کیا جانے کیا نگاہوں سے
زمیں بھی نہ اٹھا سکی میری خاک کا بار   گرا دیا مجھے تم نے اگر نگاہوں سے

جگر! بتائیے کچھ حالِ زار، خیر تو ہے!
یہ کیوں برستی ہیں مایوسیاں نگاہوں سے

دل کی خبر نہ ہوش کسی کو جگر کا ہے   اللہ اب یہ حال تمھاری نظر کا ہے
اس سمت دیکھتی بھی نہیں رُخ جدھر کا ہے   سب سے جدا اصول تمھاری نظر کا ہے
دل رکھ دیا ہے سامنے لا کر خلوص سے   آگے اب اس کے کام تمھاری نظر کا ہے
سب رفتہ رفتہ داغِ الم دے گئے مگر   محفوظ ہے وہ زخم جو پہلی نظر کا ہے
میرے دلِ حزیں میں کہاں تابِ اضطراب   جو کچھ کمال ہے وہ تمھاری نظر کا ہے
کس طرح دیکھوں جلوۂ جاناں کو بے حجاب   پردہ پڑا ہوا مرے آگے نظر کا ہے

یہ ہجومِ یاس سے آتا نہیں یقیں!
تم میرے سامنے ہو کہ دھوکا نظر کا ہے!

ہاں چلے دور میں ساقی مئے گلفام چلے
دن چلے رات چلے صبح چلے شام چلے

خاکِ بیمارِ غمِ عشق کا اب کام چلے
پاؤں گھسنے لگے جب اُٹھ کے وہ دو گام چلے

جھک گئے سر تری دہلیز پہ سب آپ سے آپ
کچھ کسی کی نہ چلی جب ترے احکام چلے

کعبۂ دل کی حقیقت سے تو واقف ہی نہیں
باندھ کر شیخ کہاں جامۂ احرام چلے

نقد کچھ پاس نہیں فکر ہے میخواری کی
قرض مل جائے کہیں سے تو بڑا کام چلے

پاؤں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں جگر!
دیر چلنے میں نہیں، صبح چلے شام چلے

کیا قیامت تھا کسی کا شکوۂ بیداد بھی
لب تک آ کے ٹکڑے ہو ہو کر رہی فریاد بھی

پہلے بھی کچھ اس سے تسکینِ دلِ ناشاد بھی
اب کلیجہ کھائے جاتی ہے تمہاری یاد بھی

جسم ہے زنداں میں لیکن روح بزمِ یار میں
بیڑیاں بھی پاؤں میں ہیں اور ہوں آزاد بھی

آتے ہی کنجِ قفس میں چپ سی مجھ کو لگ گئی
لے اُڑے کیا ہوش تیری طاقتِ فریاد بھی

یوں نہ اے بلبل تڑپ کر جان دینی تھی تجھے
چاہئے تھا کچھ تو پاسِ خاطرِ صیاد بھی

دیکھئے کس کی فغاں میں پہلے آتا ہے اثر
میں بھی نالے کر رہا ہوں بلبلِ ناشاد بھی!

یہ ہجومِ یاس و حرماں، یہ فشارِ رنج و غم
مجھ کو ڈر ہے، درد بہلائے نہ تیری یاد بھی

مجھ سے ہی کچھ واسطہ مطلب نہیں اُن کو جگر!
تیز ہوتا ہے مجھی پر خنجرِ بیداد بھی

جان سے تنگ ہمارا دل دیوانہ ہے
زندگی کا ہے کوئی موت کا افسانہ ہے

گوشے گوشے میں نہاں جلوۂ جانانہ ہے
دل نہیں ہے مری سینے میں پریخانہ ہے

وہی گل ہے وہی بلبل، وہی پروانہ ہے
شان ہر ایک مگر رنگ جداگانہ ہے

یہی صہبا، یہی ساغر، یہی پیمانہ ہے
چشم ساقی ہے کہ میخانے کا میخانہ ہے

کان ہنگامۂ محشر پہ لگے ہیں سب کے
کیا تری رہگذر عام کا افسانہ ہے

اللہ اللہ یہ وارفتگیٔ عشق مری
اس جگہ ہوں کہ جہاں حسن بھی دیوانہ ہے

تم دکھا دو جسے آنکھیں وہی مخمور بنے
ہم جہاں شیشہ پٹکدیں وہی میخانہ ہے

حشر کہتے ہیں کسے؟ وعدۂ دیدار ہے کیا
وہ بھی میری نگہِ شوق کا افسانہ ہے

منزل عشق میں اللہ رے یہ عالم شوق
ہر قدم پر مرا انداز جداگانہ ہے

ان سے پوچھے کوئی یہ ہوش کی باتیں میری
لوگ کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے دیوانہ ہے

داستان غم دل ان کو سنائی نہ گئی
بات بگڑی تھی کچھ ایسی کہ بنائی نہ گئی

سب کو ہم بھول گئے جوش جنوں میں لیکن
اک تری یاد تھی ایسی جو بھلائی نہ گئی

عشق پر کچھ نہ چلا، دیدۂ تر کا قابو
اس نے جو آگ لگا دی وہ بجھائی نہ گئی

پڑ گیا حسن رخ یار کا پرتو جس پر
خاک میں مل کے بھی اس کی صفائی نہ گئی

کیا اٹھائے گی صبا خاک مری اس در سے
یہ قیامت تو خود ان سے بھی اٹھائی نہ گئی

رات کیا دلکش ادائے جلوۂ جانانہ تھی — شمع جب رُخ کے مقابل آئی خود پروانہ تھی
آج رگ رگ میں مری اک شورشِ مستانہ تھی — کیا نگاہِ مستِ ساقی شاملِ پیمانہ تھی
صبح تک یہ یادگارِ عشق بھی افسانہ تھی
شمع اب ہے دفن جس جا تربتِ پروانہ تھی

مشغلہ ہجر میں کچھ تو دلِ ناشاد رہے — نالہ تھمتا ہوا رکتی ہوئی فریاد رہے
منتشر بعد فنا یوں مری روداد رہے — دل مرا خاک ہوا اور خاک مری برباد رہے
اک محبت کی نظر بھی دمِ بیداد رہے — کچھ بھی ہے ظلم وہ مجھ پر جو مجھے یاد رہے
کس کو معلوم ہے اس جلوہ گہِ ناز کا حال — ہوش ہی اپنے ٹھکانے ہوں تو کیا یاد رہے
آپ تو چھپ گئے پردے میں دکھا کر صورت — اب کوئی شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے
روح سے ربط نہ چھوٹا ترے کوچے کا کبھی — تیرے دیوانے اسیری میں بھی آزاد رہے
جان تو آ چکی ہونٹوں پہ مری اے صیاد
اب بھی محدود قفس تک مری فریاد رہے

یہ جو دھندلی سی ضیا خانۂ زنجیر میں ہے — داغ شاید کوئی روشن دلِ دلگیر میں ہے
ہر ادا حسن کی ڈوبی ہوئی تاثیر میں ہے — تجھ میں جو ہے وہی عالم تری تصویر میں ہے
مطمئن ہو کے کریں سیرِ چمن کیا وحشی — اک قدم باغ میں اک خانۂ زنجیر میں ہے
پہلے ہوں گے کبھی بیتابیٔ دل کے شکوے
اب تو راحت سی مجھے خانۂ زنجیر میں ہے

کیا پوچھتے ہو حالت بیمارِ محبت کی — کچھ اور ابھی گھڑیاں باقی ہیں مصیبت کی
ہر نقش ہی سینے پر، نقشہ غمِ فرقت کا — ہر اشک ہی آنکھوں میں تصویر محبت کی
آ ہی گیا رحم اُن کو، حالِ دلِ محزوں پر — کر ہی گئی کام اپنا، تاثیر محبت کی
اے جوشِ جنوں! ٹوٹے چھالا نہ مرے دل کا — دھندلی سی نشانی ہے سوزِ غمِ فرقت کی

لاکھوں میں جگر اُس نے پہچان لیا تم کو
چھپتی ہے چھپانے سے کب آنکھ محبت کی

جورِ گلچیں، جفائے باغباں دیکھا کیے — جو دکھایا تو نے وہ اے آسماں دیکھا کیے
آج کن آنکھوں سے یہ جورِ خزاں دیکھا کیے — سب چمن لٹتا رہا اور باغباں دیکھا کیے
اب قفس میں ہوش آیا تو یہ حیرت ہی رہی — کس طرح آنکھوں سے لٹتے آشیاں دیکھا کیے
جی بھر آیا ناتوانی پر جو راہِ شوق میں — دیر تک ہم نقش ہائے رہرواں دیکھا کیے
جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید — دور تک مڑ مڑ کے سوئے آشیاں دیکھا کیے
تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلق رنگ و بو — ہم قفس میں روز خوابِ آشیاں دیکھا کیے

خاک سیرِ لالہ و گل باغ میں جب تک رہے
دستِ گلچیں، یا نگاہِ باغباں دیکھا کیے

آیا نہ راس نالۂ دل کا اثر مجھے — اب تم ملے تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے
دل لیکے مجھ سے، دیتے ہو داغِ جگر مجھے — یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے
ہر سو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے — کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے

ملتی نہیں ہے لذتِ دردِ جگر مجھے
بھولی ہوئی نہ ہو نگہِ فتنہ گر مجھے

ڈالا ہے بیخودی نے عجب راہ پر مجھے
آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مجھے

کرنا ہے آج حضرتِ ناصح سے سامنا
مل جائے دو گھڑی کو تمھاری نظر مجھے

مستانہ کر رہا ہوں رہِ عاشقی کو طے
لیجائے جذبِ شوق مرا اب جدھر مجھے

ڈرتا ہوں جلوۂ رُخِ جاناں کو دیکھ کر
اپنا بنا نہ لے کہیں میری نظر مجھے

یکساں ہے حسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ
اُن کی خبر انھیں ہے نہ میری خبر مجھے

مرنا ہے اُن کے پاؤں پہ رکھ کر سرِ نیاز
کرنا ہے آج قصۂ غم مختصر مجھے

سینے سے دل عزیز ہے، دل سے ہو تم عزیز
سب سے مگر عزیز ہے تیری نظر مجھے

میں دور ہوں تو روئے سخن مجھ سے کس لیے
تم پاس ہو، تو کیوں نہیں آتے نظر مجھے

کیا جانئے قفس میں رہے کیا معاملہ
اب تک تو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے

آنکھوں میں نور جسم میں بنکر وہ جاں رہے
یعنی ہمیں میں رہ کے وہ ہم سے نہاں رہے

ہم ہیں وہ دردمندِ محبت جہاں رہے
خاموش بھی رہے تو سراپا فغاں رہے

ہر چند وقفِ کشمکشِ دو جہاں رہے
تم بھی ہمارے ساتھ رہے ہم جہاں رہے

باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے
صیاد ہم رہیں نہ رہیں آشیاں رہے

ہر شاخ پر ہے باغ میں صیاد کی نگاہ
مطلب یہ ہے کہیں نہ مرا آشیاں رہے

کس قیامت کی کشش اس جذبۂ کامل میں ہے — تیر اُن کے ہاتھ میں پیکاں ہماری دل میں ہے
اِک تلاطم سا تو برپا سینۂ بسمل میں ہے — اب نہ جانے تو ہی خود یا درد تیرا دل میں ہے
جلوہ فرما کون اس اجڑی ہوئی منزل میں ہے — آفتابِ حشر ہی جو داغ میرے دل میں ہے
عشق کا ہر رنگ پنہاں میری آب و گل میں ہے — قیس میرے سینے میں فرہاد میرے دل میں ہے
اللہ اللہ یہ مری مشقِ تصور کا کمال — میرا دل اس محفل میں ہے اور محفل کی محفل دل میں ہے
عشق میں گم گشتگی و شوق راس آئی مجھے — تھی جو میرے دل میں حسرت اب وہ انکے دل میں ہے
ہر تڑپ کے ساتھ آجاتی ہے مجھ میں تازہ روح — شکر ہے اتنا اثر تو اضطرابِ دل میں ہے
شمع چپ پروانے ششدر اہلِ دل سب دم بخود — ہائے کیا تصویر کا عالم تری محفل میں ہے

جوانی آتے ہی اُن پر قیامت کی بہار آئی
نظر بیگانہ وار اُٹھی، حیا مستانہ وار آئی
چمن میں راس کب مجھ کو ہوائے روزگار آئی
قفس ہی میری قسمت میں لکھا تھا جب بہار آئی
مری نظروں میں جب سے "تازگیٔ حُسنِ یار آئی
خزاں بھی آئی گلشن میں تو میں سمجھا بہار آئی
وہ عاشق ہوں کہ میری لاش جب زیرِ مزار آئی
محبت نوحہ گر پہنچی، تمنا سوگوار آئی

کچھ ایسی جوش پر اب کی یہ چشم اشک بار آئی
قفس میں لوٹ کر سارے گلستاں کی بہار آئی
شمیم عطر بیز آئی نسیم خوشگوار آئی
تم آئے سامنے یا سو بہاروں کی بہار آئی
اب آخر آشیاں کے ذکر سے صیاد کیا حاصل
یہ کہہ دینا ہی کیا کم تھا؟ کہ گلشن میں بہار آئی
چمن میں جیسی اک بلبل کے دم تک دیکھ لی ہمدم
نہ پھر ایسی خزاں دیکھی، نہ پھر ایسی بہار آئی
وہ دیوانہ ہوں میں جب سے بسایا میں نے زنداں کو
نہ صحرا میں اُگے کانٹے نہ گلشن میں بہار آئی
قفس میں بھی لگا رہوں سے جدا ہوتا نہیں دم بھر
وہ عالم، ہائے میرا، خاتمے پر جب بہار آئی
غضب تھا آج گلشن میں، یہ حسرت خیز نظّارہ
اِدھر بلبل کا دم ٹوٹا اُدھر فصلِ بہار آئی
اثر اتنا تو ہونا چاہیئے، جذبِ محبّت میں
کہ جب تک میں قفس میں تھا قفس ہی میں بہار آئی
قفس کا اور یکایک اس طرح جنبش میں آجانا

جگر معلوم ہوتا ہے کہ گلشن میں بہار آئی

کہیں ساغر بکفِ گل ہیں، کہیں خم در بغل غنچے
چمن ہی میکدہ بھی بن گیا، جب سے بہار آئی

بنا کر جس نے بے خود آشیاں ہم سے چھڑایا تھا
سُنا ہے پھر اسی شدت سے گلشن میں بہار آئی

مِری اِس بیخودی کا یادِ گل میں کیا ٹھکانا ہے
اٹھی جب آشیاں سے آگ تب سمجھا بہار آئی

وہ گھر برباد ہی ہو جائے تو بہتر ہے، جس گھر میں
نہ صبحِ وصل آئی اور نہ شامِ انتظار آئی

نگاہِ یاس اور دب کر نگاہِ ناز سے رہتی
گئی اور چند نشتر اُن کے دل میں بھی اُتار آئی

بہارِ رفتہ میری پھر نہ آئی اے جگر! وائیں
چمن میں ہر خزاں کے بعد لیکن اِک بہار آئی

علاجِ کاوشِ غم خاک چارہ جو کرتے ۔۔۔ ہزار زخم تھے کس کس جگہ رفو کرتے
اشارہ خود جو نہ وہ بھی جستجو کرتے ۔۔۔ مجال کیا تھی ہماری کہ آرزو کرتے
وہ ہم سے ملتے نہ ملتے یہ انکی تھی مرضی ۔۔۔ ہمارا کام یہی تھا کہ جستجو کرتے
بیاں ہو نہ سکی ابتدا محبت کی ۔۔۔ تمام عمر ہوئی شرحِ آرزو کرتے

جلوہ جو اُن کے رُخ کا مری چشمِ تر میں ہے ۔ شادابیٔ بہار کا عالم، نظر میں ہے
اُمیدِ وصل دیدۂ حسرت اثر میں ہے ۔ یعنی ہماری روح ہماری نظر میں ہے
ہر ذرّہ رقص میں ہے جو اس رہگذر میں ہے ۔ کیا عالمِ حیات کسی کی نظر میں ہے
تاریک ہوتی جاتی ہے رہ رہ کے کل فضا ۔ پھر بھی مریضِ ہجر، امیدِ سحر میں ہے
کیا آفتابِ حشر سے جھپکے گی اب آنکھ ۔ ہر ذرّہ کوئے یار کا میری نظر میں ہے
تنہائیٔ فراق کا کیا کیجئے بیاں ۔ اک آہ تھی، سو وہ بھی تلاشِ اثر میں ہے
اللہ رے یاد طاقتِ پرواز کا اثر ۔ دل میں بھی وہ تڑپ نہیں جو بال و پر میں ہے
وا ہوں جو گوشِ ہوش تو عبرت کیواسطے ۔ اک داستاں خموشیٔ شمعِ سحر میں ہے
یوں آرہے ہیں آج ہم اک بزمِ ناز سے ۔ چہرہ پہ نور، جلوۂ جاناں نظر میں ہے

کیونکر بہارِ شعر سے ٹپکے نہ اے جگرؔ!
رنگِ کلامِ حضرتِ اصغرؔ[1] نظر میں ہے!

ازل کے دن جنہیں لے کر چلے تھے تیری محفل سے
وہ شعلے آج تک لپٹے ہوئے ہیں دامنِ دل سے
مجھے اب خوف ہی کیا، ہجر میں تنہائیٔ دل سے
ہزاروں محفلیں لے کر اُٹھا ہوں تیری محفل سے
یہ عالم ہے ہجومِ شوق میں بیتابیٔ دل سے
کہ منزل پر پہنچکر بھی اُڑا جاتا ہوں منزل سے

---

[1] حضرت اصغر گونڈوی نوراللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

فلک پر ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھی شبِ فرقت
مگر نسبت کہاں اُن کو مرے ڈوبے ہوئے دل سے

گنا رہیں قیس کی اٹھتی ہیں جوشِ کیفِ مستی میں
ذرا ہشیار رہنا، ساربان! لیلیٰ کی محمل سے

وہی سب بن گئیں نقش و نگارِ صفحۂ ہستی
اُڑی تھیں جس قدر چھینٹیں مرے خونابۂ دل سے

سمجھ کر پھونکنا اس کو، ذرا اے داغِ ناکامی
بہت سے گھر بھی ہیں آباد اس اُجڑے ہوئے دل سے

محبت میں قدم رکھتے ہی، گم ہونا پڑا مجھ کو
نکل آئیں ہزاروں منزلیں اک ایک منزل سے

قیامت کیا؟ کہاں کا حشر؟ کیسا دیر؟ کیا کعبہ؟
یہ سب ہنگامے برپا ہیں مرے اک مضطرب دل سے

بیاں کیا ہوں یہاں کی مشکلیں، بس مختصر یہ ہے
وہی اچھے ہیں کچھ، جو جس قدر ہیں دور منزل سے

ہجومِ یاس ایسا کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو
وفورِ شوق یہ! آگے بڑھا جاتا ہوں منزل سے

محبت میں ضرورت ہی تماشائے غیر کی کیا تھی

اگر ہم ڈھونڈھتے، نشتر بھی مل جاتا رگ دل سے
بدن سے جان بھی ہو جائیگی رخصت جگر! لیکن
نہ جائے گا خیالِ حضرت اصغرؔ مرے دل سے

بس اک نظروں کا دھوکا ہے، بس اِک آنکھوں کا پردا ہے
نہ مجنوں کوئی مجنوں ہے، نہ لیلیٰ کوئی لیلےٰ ہے
ہوسناکی خیالِ غیریت ہی کا نتیجہ ہے
جو یہ پردا ابھی اُٹھ جائے تو سب اپنا ہی اپنا ہے
سمجھ میں جو نہ آئے، اور بے سمجھے نہ رہنے دے
اسی کا نام شاید عشق میں، نام تمنا ہے
یہی تو فرق ہے بس کافر و مومن میں اے غافل
کہ اُس کے لاکھ کعبے ہیں، اور اِس کا ایک کعبہ ہے

مژدہ اے شوق شہادت! اوج پر تقدیر ہے
آج دستِ ناز میں، نازک سی اِک شمشیر ہے
کم نہیں ہے تمیں دلِ ایذا طلب کی خواہش
آپ دیکھیں تو یہی "ترکش میں کوئی تیر ہے"!
کس ادا پر جان دوں، تو ہی بتا اے چشمِ یار
جس ادا کو دیکھتا ہوں، حسن کی تصویر ہے

قید خانے میں جو بیٹھا ہوں، یہ ہے تیری خوشی
تو اگر کہدے تو دو ٹکڑے ابھی زنجیر ہے

میرے پہلو میں نہیں ہے یہ دلِ خانہ خراب
میری بربادی کی جیتی جاگتی تصویر ہے

وہ اُدھر محوِ تماشہ ہیں اِدھر مرعوبِ حسن
وصل کی شب دونوں جانب عالمِ تصویر ہے

دلِ برباد ہی میں عالم اک آباد بھی ہے — اسی ویرانے میں مجنوں بھی ہے فرہاد بھی ہے
کیا خبر قلبِ ہوسناک کو ہنگامِ سماع
کہ انھیں نغموں میں پنہاں کوئی فریاد بھی ہے

دل بہلنے کی شبِ غم یہی صورت ہوگی — آپ کی دی ہوئی تکلیف بھی راحت ہوگی
آپ کے دیدہ میں بھی آپکی سیرت ہوگی — بات میں بات نزاکت میں نزاکت ہوگی
آتشِ دوزخِ ہجراں ہی دیا ہے لیکن — تم جو چاہو گے تو یہ بھی مجھے جنت ہوگی
جمع کرتی رہے آمادگیٔ ذوقِ فنا — کام آئے گی، اگر دل میں حرارت ہوگی
کہنے سننے کی غمِ عشق میں حاجت ہی نہیں
آنکھ سے ٹپکے گی، دل میں جو محبت ہوگی

وہ شکلِ جانستاں کیا مظہرِ شانِ الٰہی ہے — نظر میں رنگِ مستی رخ پہ نورِ صبح گاہی ہے
اسی کو ایک دن بننا ہے خالِ عارضِ رحمت — ہمارے نامۂ اعمال کی جتنی سیاہی ہے

کسی صورت بھی ہم سے بے خبر وہ رہ نہیں سکتے
جو ہم ایسا سمجھتے ہیں ہماری کم نگاہی ہے

خدا جانے محبت کونسی منزل کو کہتے ہیں
نہ جس کی ابتدا ہی ہے نہ جس کی انتہا ہی ہے

پارہ ہائے جگر

میں ہوا ہشیار جتنا مجھ سے وہ غافل ہوا
دل سراپا غم بنا جب میں سراپا دل ہوا

جذبۂ دل صرف جتنا بے تحمل ہوتا گیا
اُس قدر ذوقِ نظر میں مبتذل ہوتا گیا
تنگ اتنا دامنِ فکر و عمل ہوتا گیا
زندگی بھر آج کل ہی آجکل ہوتا گیا

دمِ اخیر بھی اُن کا یہ احترام ہوا
اُٹھے نہ ہاتھ تو آنکھوں ہی سے سلام ہوا

یہ سوزِ نہاں نہیں ہے دل میں
جلتا ہے چراغ بے کسی کا
حسرت کا لہو بھرا ہے جس میں
وہ جام ہوں دورِ آخری کا

لے کے خط اُن کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن
تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا

ہر اک داغِ نفرت کا دھونا پڑے گا   تمہیں بھی مرے ساتھ رونا پڑے گا

بُھلا کر خود کو غافل، رحم کا تو مستحق ہو گا
کہ گل بوٹے بھی بن جائیں گے جب سادہ ورق ہو گا

کہاں وہ دن گئی یارب کہ تھی شکیبائی   نظر میں پھرتی ہے صبر و قرار کی صورت
گئے جو دل ہی تو دل کو خزاں نما کے گئے   جو آئے دل میں تو آئے بہار کی صورت

کیا کروں گا اب بہارِ گل بداماں دیکھ کر   محوِ حیرت ہوں خود اپنا حسن پنہاں دیکھ کر

سحر تک شمعِ محفل! میں نے جل بجھنے کی ٹھانی ہے
ہمیں یہ دیکھنا ہے خاک ہو جاتے ہیں ہم کب تک

قیدِ قفس میں یادِ بہار آتی ہے مجھے   نشتر چبھنے ہوئی ہیں یہ وبال آج کل

حالِ وحشت میں یہ ہے اب ترے دیوانوں کا   جیب چھوٹی، تو گریبان لئے بیٹھے ہیں

نہ رہا کیا کوئی دیوانوں میں — خاک اڑتی ہے بیابانوں میں
رہ گئی آہ اب افسانوں میں — ہے نہ شیشوں میں نہ پیمانوں میں
اٹھ گیا کیا جگرِ بلند نوا — شور برپا ہے غزل خوانوں میں

لب پہ نہیں نالہ نہیں شکوہ نہیں فریاد نہیں — پھر بھی فرماتے ہیں تو لائقِ بیداد نہیں

روح کھنچی ہوئی اٹکی ہے تنِ لاغر میں — اب مجھے روکنے والی کوئی زنجیر نہیں

رنگ چھا رہا ہے ترے جوشِ شباب میں — یا چاندنی کا پھول کھلا ہے گلاب میں

سینۂ عشق ہے اور ناوکِ ناز — وار پر وار ہوئے جاتے ہیں
عشق ہی سے نہ ہوا عہدِ وفا — چارہ ناچار ہوئے جاتے ہیں
ساقیا! توبہ کئے لیتے ہیں — لے گنہگار ہوئے جاتے ہیں

وحشتِ چاکِ جیبِ دل تو کیا خوفِ شہرت ہو تو ہو
اب یہ مر جائے تو جائے اور قیامت ہو تو ہو
دل کہاں پہلو میں دل تو کر چکے پہلے ہی نذر
یہ جو کچھ بےچین سا ہے دردِ فرقت ہو تو ہو

لطفِ تشہیرِ مصوّر ہے تشہیر کے اُٹھ کھینچ دے درد بھی میرا مری تصویر کے ساتھ
حاصلِ دشت نوردی ہیں یہ اے جنوں آبلے ٹوٹ نہ جائیں کہیں زنجیر کے ساتھ

ہے مآلِ کارِ فنا یہی کہ انھیں کا رنگِ عیاں رہے
نہ نظر ہماری نظر رہے، نہ زباں ہماری زباں رہے

مرے عشقِ سحر طراز نے بہت اُنکے جلوے دکھا دئیے
مگر ایسے لاکھوں ہی حُسن تھے جو نظر سے پھر بھی نہاں رہے

آنکھیں بند جلوۂ جاناں لئے ہوئے جاتا ہوں ذرّے ذرّے کو حیراں کئے ہوئے

مشروطِ نگاہِ ساقی کی تحریک یہ جس کا پینا ہے
بس اس کا ساغر، ساغر ہے بس اس کا مینا مینا ہے

چشمِ امید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی ابھی دھندلا سا اُجالا نظر آتا ہے مجھے

تصوّر میں کس کا جلوۂ مستانہ آتا ہے کہ ہر آنسو لئے ہمراہ اک پیمانہ آتا ہے

دمِ اظہارِ سوزِ پنہانی شعلے میری زباں سے آئے

سوزِ غمِ ہجر بجھ نہ جائے دھندلا سا چراغِ بیکسی ہے

سفاک جتنے بھی ہیں قاتل نظر بھی ہے
کیا چیز ہو گئے ہو تمھیں کچھ خبر بھی ہے

اُس سے تو عنایت کی نظر کی نہیں جاتی
اور دل کی یہ حالت ہے کہ دیکھی نہیں جاتی

ہستی کے نکات پوچھتا ہے — غافل تجھے اپنی بھی خبر ہے

آنسوؤں کی کمی نہیں لیکن — کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی

پردے الٹ دئے تھے محبت کے جوش نے — کھویا مگر مجھے مرے تمکین و ہوش نے

تاثیرِ سوزِ عشق سے بچنا محال ہے — ایسی لگے یہ آگ کہ دیکھا کرے کوئی

پیری بھی تمام ہونے آئی — دن ڈھل چکا شام ہونے آئی

مصروفِ وقتِ نزع جو بیمار ہو گئے — کیا جانے کیا اشاروں میں اقرار ہو گئے
ترکِ خودی سے مائلِ پندار ہو گئے — آزاد ہوتے ہوتے گرفتار ہو گئے

کیا جانئے کب تک تجھے فرقت میں کٹ آئے — دل کو ابھی روکا تھا کہ آنسو نکل آئے

دیکھی تری آنکھوں کی کیفیتِ رعنائی — اک بس ہی سنبھلتا ہی جامِ مئے مینائی

لمعاتِ طُور

(نظمیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شکستِ توبہ

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا
لہروں سے کھیلتا ہوا لہرا کے پی گیا

بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کو توڑ تاڑ کے تھرا کے پی گیا

زاہد! یہ میری شوخیِ رندانہ دیکھنا
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا

سرمستیِ ازل مجھے جب یاد آ گئی
دنیائے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گیا

آزردگیِ خاطرِ ساقی کو دیکھ کر
مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

اے رحمتِ تمام! مری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

پیتا بغیر اذن یہ کب تھی مری مجال
در پردہ چشمِ یار کی شہ پا کے پی گیا

اُس جانِ میکدہ کی قسم بارہا جگر
کُل عالمِ بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

غمِ انتظار

نظر ہے وقفِ غمِ انتظار کیا کہنا
کھنچی ہے سامنے تصویرِ یار کیا کہنا

یہ چشمِ مست یہ ابرو یہ زلف یہ خد و خال
یہ لب یہ رُخ یہ جبیں یہ عذار کیا کہنا

شباب اور مکمل شباب ارے توبہ
بہار اور مجسم بہار کیا کہنا

تصادمِ نگہِ شوق آہ معاذ اللہ
تبسمِ نگہِ فتنہ کار کیا کہنا

فروغِ حسن و نوائے سرودِ طرفِ چمن
شرابِ عشق و لبِ جوئے یار کیا کہنا

گل و بنفشہ و نسرین و نسترن کیا خوب
بہار و سایۂ ابرِ بہار کیا کہنا

بیانِ درد و زبانِ خموش و عرضِ نیاز
جبینِ شوق و کفِ پائے یار کیا کہنا

گدازشِ دلِ غم آفریں، معاذ اللہ
نگارشِ غمِ ہمت شکار کیا کہنا

تمام شوقِ شکایت، تمام مہر و وفا
فسانۂ دلِ بے اختیار کیا کہنا

فسونِ نیم نگاہی و سحرِ استغنا
سکوتِ حسن و لبِ نغمہ بار کیا کہنا

وفورِ بیخودی و ضبطِ غم، جزاک اللہ
سرورِ بادۂ ناخوشگوار کیا کہنا

شرابِ نیم نشیلی نگہ، ارے توبہ
پیالہ گیر کفِ رعشہ دار کیا کہنا

سبک روائیِ اشک و خنک نسیمِ کرم
نشاطِ دردِ دلِ بے قرار کیا کہنا

کرم نما ستم ناز حسن اے توبہ ... ستم نما کرم خاص یار کیا کہنا
نگاہِ ناز کے پیہم اشارہ ہائے لطیف ... شکست شیشۂ دل بار بار کیا کہنا
حریم حسن کے پردے اٹھے ہوئے ہیں جگر!
یہی اگر ہے غم انتظار کیا کہنا

تصویر و تصوّر

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آرہے ہیں، وہ جا رہے ہیں
وہی قیامت ہے قدِ بالا، وہی ہے صورت، وہی سراپا
لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں
وہی لطافت، وہی نزاکت، وہی تبسم، وہی ترنم
میں نقشِ حرماں بنا ہوا تھا، وہ نقشِ حیرت بنا رہے ہیں
خرام رنگیں، نظام رنگیں، کلام رنگیں، پیام رنگیں
قدم قدم پر، روش روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہیں

شباب رنگیں، جمال رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں
تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں

تمام رعنائیوں کے مظہر، تمام رنگینیوں کے منظر
سنبھل سنبھل کر، سمٹ سمٹ کر سب ایک مرکز پہ آ رہے ہیں

بہار رنگ و شباب ہی کیا، ستارہ و ماہتاب ہی کیا
تمام ہستی جھکی ہوئی ہے، جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں

طیور سرشار، ساغر گل، ہلاک تنویر لالہ و گل
سب اپنی اپنی دھنوں میں مل کر عجیب عجب گیت گا رہے ہیں

شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے، نظر سے مستی ابل رہی ہے
چھلک رہی ہے، اچھل رہی ہے، پیے ہوئے ہیں پلا رہے ہیں

خود اپنے نشے میں جھومتے ہیں، وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں
خراب مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاک مستی بنا رہے ہیں

فضا سے نشہ برس رہا ہے، دماغ پھولوں میں بس رہا ہے
وہ کون ہے جو ترس رہا ہے؟ سبھی کو میکش بنا رہے ہیں

زمین نشہ، زمان نشہ، جہان نشہ، مکان نشہ
مکان کیا؟ لامکان نشہ، ڈبو رہے ہیں، پلا رہے ہیں

وہ روئے رنگین و موجۂ یم، کہ جیسے دامانِ گل پہ شبنم

یہ گرمیِ حسن کا ہے عالم، عرق عرق میں نہا رہے ہیں
یہ مست بلبل بہک رہے ہیں، قریبِ عارض چہک رہی ہے
گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے، وہ دستِ رنگیں بڑھا رہے ہیں
یہ موجِ دریا، یہ ریگِ صحرا، یہ غنچہ و گل، یہ ماہ و انجم
ذرا جو وہ مسکرا دئیے ہیں، وہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں
فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے
سکوتِ نغمہ بنا ہوا ہے، وہ جیسے کچھ گنگنا رہے ہیں
اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر، لیکن یہ نقشِ دل پہ
ہم اُن کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں
یہ اشک جو بہہ رہے ہیں پیہم، اگرچہ سب ہیں یہ حاصلِ غم
مگر یہ معلوم ہو رہا ہے، کہ یہ بھی کچھ مسکرا رہے ہیں
ذرا جو دم بھر کو آنکھ جھپکی، یہ دیکھتا ہوں نئی تجلی
طلسمِ صورت مٹا رہے ہیں، جمالِ معنی بنا رہے ہیں
خوشی سے لبریز شش جہت ہے، زبان پر شورِ تہنیت ہے
یہ وقت وہ ہے جگر کے دل کو وہ اپنے دل سے ملا رہے ہیں

نرگسِ مستانہ

(خطاب بہ حضرت اصغر نور اللہ مرقدہٗ)

اپنا ہی سا اے نرگسِ مستانہ بنا دے
میں جب تجھے جانوں مجھے دیوانہ بنا دے!

ہر قید سے ہر رسم سے بیگانہ بنا دے
دیوانہ بنا دے مجھے دیوانہ بنا دے

اِک برقِ ادا خرمنِ ہستی پہ گرا کر
نظروں کو مری طور کا افسانہ بنا دے

ہر دل ہے تری بزم میں لبریزِ مئے عشق
اِک اور بھی پیمانے سے پیمانہ بنا دے

تو ساقیِ میخانہ بھی، تو نشۂ مے بھی
میں تشنۂ ہستی، مجھے مستانہ بنا دے

اللہ نے تجھ کو مے و میخانہ بنایا
تو ساری فضا کو مے و میخانہ بنا دے

تو ساقیِ میخانہ ہے، میں رندِ بلانوش
میرے لئے میخانہ کو، پیمانہ بنا دے

یا دیدہ و دل میں مرے تو آپ ہی آجا
یا پھر دل و دیدہ ہی کو ویرانہ بنا دے

قطرے میں وہ دریا ہے جو عالم کو ڈبو دے
ذرّے میں وہ صحرا ہے کہ دیوانہ بنا دے

لیکن تجھے ہر قیدِ تعین سے بچا کر
جو چاہے وہ اے نرگسِ مستانہ بنا دے

عالم تو ہے دیوانہ جگر! حسن کی خاطر
تو اپنے لئے حسن کو دیوانہ بنا دے

جب تک نگہِ یار نہ ہو گی متبسم ‌ ‌ تو اپنا ہر انداز حریفانہ بنا دے
منکر تو نہ بن حسن کے اعجازِ نظر کا ‌ ‌ کھینچنے کے لئے اپنے کو بیگانہ بنا دے
جبتک کرمِ خاص کا دریا نہ امنڈ آئے ‌ ‌ تو اور بھی حال اپنا سیہ تابانہ بنا دے
بتخانے میں آ نکلے تو کعبہ کی بنا ڈال ‌ ‌ کعبے میں پہنچ جائے تو بتخانہ بنا دے
جو موج اٹھے دل ہی ترے جوشِ طلب میں ‌ ‌ سر رکھ کے وہیں سجدۂ شکرانہ بنا دے
جب مائلِ الطاف نظر آئے وہ خود ہی ‌ ‌ تو ہر نگہِ شوق کو افسانہ بنا دے
کونین بھی مل جائے تو اس کو پتہ بھلا ‌ ‌ کونین کو بھولا ہوا افسانہ بنا دے

پھر عرض کر اسطرح جگر! شوق ادب سے
بے باک اگر جرأتِ رندانہ بنا دے

مجھ کو نگہِ یار! قسم میرے جنوں کی ‌ ‌ ناصح کو بھی میرا ہی سا دیوانہ بنا دے
میں ہوں ترے قدموں میں مجھے کچھ نہیں کہنا
اب جو بھی ترا لطفِ کریمانہ بنا دے

یادِ ایام

ذوقِ صورت ساز و شوقِ جلوہ ساماں داشتم ‌ ‌ یاد ایامے کہ منزل در جہاں داشتم
دستِ نے در دستِ نگارِ شوخ و دیرِ کوہ در ظہور ‌ ‌ بود حاصل ہر تمنائے کہ پنہاں داشتم
از جمالِ حسنِ ساقی، صد بہاراں در نظر ‌ ‌ در فروغِ بادہ، بر خود صد گلستاں داشتم

در فضائے آسمانِ حسن، چوں سیارگاں
اصغر[1] و ہم شاد[2] و ہم اختر[3] غزلخواں داشتم

گہ بزیرِ طرہ، پیہم دعوتِ ذوقِ نظر
گہ بہ سقفِ دولتِ حسنِ خراماں داشتم

آہ آں ساعت کہ از فیضِ جمالِ ہمنشیں
ہر نفس، ہر لحظہ، جنت بداماں داشتم

حسرتِ آفت سرشت و آرزوئے بیقرار
انچہ در دل داشتم بے حد و پایاں داشتم

محشرستاں بود از فیضِ دردِ مستقل
پیشِ چشمِ شوق ہر سو محشرستاں داشتم

کیست ؟ گو یا بہ سرکار از دلِ مسکیں پیام
چوں تو کافر ماجرا سروِ خراماں داشتم

من چمن آوارہ ام ہم سر بہ صحرا دادہ ام
من جگر ہستم، ہماں کامروز دور افتادہ ام

جگر

یاد ہیں اب تک جگر! وہ بیقراری کے مزے
دردِ پیہم کی لگاوٹ زخم کاری کے مزے

وہ جبینِ شوق اپنی، وہ کسی کے پائے ناز
سجدہ ریزی کی لطافت اشکباری کے مزے

حسن کی سرشاریاں، خواب آئی کی بہار
عشق کی بیتابیاں، شب زندہ داری کے مزے

کہیے کیا کیفیتِ ناز و نیازِ حسن و عشق
رازداری جانتی ہے رازداری کے مزے

وہ سکونِ بیخودی وہ جلوۂ حیرت فروش
وہ جنونِ شوق وہ بے اختیاری کے مزے

شوق کی روداد پر وہ حسن کی بے مہریاں
عشق کی فریاد پر وہ شرمساری کے مزے

آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کچھ نگاہِ ناز کا
دل ہی دل میں اف وہ ذوقِ جاں نثاری کے مزے

انتہائے سادگی وہ شوق سامانی کے لطف
ابتدائے عاشقی وہ خامکاری کے مزے

دل مجسم درد ہے، دل ہی سے آل دن پوچھئے
شام سے لیکر سحر تک دم شماری کے مزے

---

[1] جناب شیخ اصغر حسین صاحب اصغر مین پوری [2] جناب شاد مین پوری [3] جناب اختر رامپوری

ہر جمالِ نو کی پیہم اللہ اللہ شانِ خاص
ہر خیالِ تازہ کی نا استواری کے مزے

عشق کے مضبوط ترکِ عہدِ مطلب کی شکست
حسن کی نامستقل غفلت شعاری کے مزے

وہ اک آہِ آتشیں کا جانِ مضطر سے سلوک
وہ نگاہِ شرمگیں کی غم گساری کے مزے

اپنی ہر لغزش سے پیدا عشق کا لطفِ یقیں
اُس کے ہر انداز پر بے اعتباری کے مزے

آہ وہ دورِ محبت کی گذشتہ لذتیں
خوشگواری کے مزے ناخوشگواری کے مزے

ہر نفس ہے اب تو اعلانِ شکستِ آرزو
اب کہاں بے پردگی میں پردہ داری کے مزے

قطرہ قطرہ، موجِ صہبا، ذرہ ذرہ جامِ جم
اب کہاں سے لائیے اس میگساری کے مزے

شبِ مستانہ کجا و جلوۂ ساقی کجا
آہ، آں منظر کجا و آں مے باقی کجا

اے کہ وابستہ ترے دم سے نظامِ آرزو
سن پیامِ آرزو، بعد از سلامِ آرزو

تو کہ جانِ حسن ہے اور حسن تیری جان ہے
ہاں مبارک ہو تجھے عیشِ دوامِ آرزو

تیری ہر موجِ تبسم، تیری ہر موجِ نظر
ایک برقِ طور تھی، یا لائے بامِ آرزو

تیرا روئے آتشیں مسجودِ صبحِ دلبری
تیری زلفِ عنبریں معبودِ شامِ آرزو

چشم و دل پر وہ عنایت وہ کرم وہ مرحمت
اللہ اللہ تو کرے یوں احترامِ آرزو

میں نہیں بھولا تجھے تجھکو بھی شاید یاد ہو
تجھ پہ وہ چھایا ہوا کیفِ تمامِ آرزو

حرفے از دردِ دلِ بے مدعائے گفتنی است
ماجرائے گفتنی و صد ماجرائے گفتنی است

مجذوب کی صدا

اسی تلاش و تجسس میں کھو گیا ہوں میں
اگر نہیں ہوں تو کیونکر؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں

بیانِ جرمِ محبت ہے، جانتا ہوں میں
خطا معاف، کہ مجبورِ التجا ہوں میں

فریب خوردۂ رنگینیٔ ادا ہوں میں
نظر کی چند شعاعوں میں گھر گیا ہوں میں

کمالِ بے بصری بھی کیا بلا ہوں میں
وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے، یہ دیکھتا ہوں میں

تمام اصل و حقیقت کا آشنا ہوں میں
خدا نہیں ہوں مگر مظہرِ خدا ہوں میں

کرشمہ سازیٔ ہنگامۂ جہاں معلوم
خود اپنے حسنِ صفائی پہ مبتلا ہوں میں

جہانِ عشق میں آوارگی نہ پوچھ مری
ازل سے گرمِ رہِ عرصۂ بلا ہوں میں

گواہ ہیں مری رسوائیاں محبت میں
تمامِ شوق ہوں اور شوق پر بلا ہوں میں

جنونِ عشق میں عریانیوں پہ میری نہ جا
بہت قریب بڑا دیر آشنا ہوں میں

نمود و بود کا کل راز جس میں مضمر ہے
بساطِ عجز پہ وہ نقشِ ابتدا ہوں میں

فتادگی، مرا شیوہ، شکستگی مری شان
خود اپنی راہِ حقیقت کا رہنما ہوں میں

سمجھ میں خاک نہ آئیں گے معنی و مطلب
مجھے نہ سن کہ بہت دور کی صدا ہوں میں

گراں ہے میری لطافت پہ یہ غبارِ وجود
اُسے بقا مری سمجھو اگر فنا ہوں میں

کدھر ہے؟ منظرِ ہستی کے دیکھنے والے
یہ ساز وہ نہیں جس ساز کی صدا ہوں میں

وہ جام اک مئے بے رنگ کا پلا ساقی
کہ بھول کر بھی نہ پھر محوِ ماسوا ہوں میں

بجائے حسن اگر مجھ پہ اعتماد کرے
دلِ ربودۂ آہِ شکستہ پا ہوں میں

نگاہِ شوق کو بھی رخصتِ کلام نہ دی
مزاجِ حسن سے کس درجہ آشنا ہوں میں

قدم ذرا جو ہٹے جادۂ فنا سے کہیں
ہر ایک ذرہ پکارا کہ دیکھتا ہوں میں

کھلا ہوا ہے مرے سامنے صحیفۂ عشق
سمجھ رہا ہوں مگر کیا سمجھ رہا ہوں میں

مٹائے لاکھ زمانہ، مٹا نہیں سکتا
اگر یہ سچ ہے کہ تیری ہی اک ادا ہوں میں

ہر ایک شے نظر آتی ہے خود مری تصویر
جہاں سے منظرِ فطرت کو دیکھتا ہوں میں

فضائے دہر کی ہر موج جس سے رقص میں ہے
وہ ایک نغمۂ بے ساز و بے صدا ہوں میں

جہاں بجھ نہ سکیں آتش نوائیاں میری
کہ سوزِ سینۂ اربابِ باصفا ہوں میں

تصورات کی آئینہ بندیاں بے سود
تعینات کی دنیا سے ماورا ہوں میں

مجھے تلاش کر اے بیخودیٔ شوقِ سجود
پہنچ کے منزلِ مقصد پہ کھو گیا ہوں میں

مجھے نہ چھیڑ بہت اے نسیمِ صبحِ کرم
تمامِ شوق و شکایت کا ماجرا ہوں میں

مٹا نہ صفحۂ ہستی سے میرا نقشِ وجود
کہ فخرِ عاشقی و نازشِ وفا ہوں میں

جگر! یہ ہرزہ سرائی مری، یہ بے ربطی
یقیں ہوا کسی "مجذوب کی صدا" ہوں میں

نغمۂ اسلام

ہر طرف غل ہے کہ وہ آیا جگر بادہ پرست
اثرِ نشۂ صہبا سے سراپا بدمست
شعرِ حافظ بزبان جام بکف شیشہ بدست
بیخبر از ہمہ عالم چہ بلند است چہ پست
شورِ مستانہ کہاں اور یہ سخنِ وعظ کہاں
آج یہ رند کہاں، انجمنِ وعظ کہاں

جمع مومن بھی ہیں عالم بھی ہیں بیدار بھی ہیں
معتدل رنگ کے بھی لوگ ہیں احرار بھی ہیں
واقفِ رازِ سراپردۂ اسرار بھی ہیں
دین کے طالب بھی ہیں دنیا کے طلبگار بھی ہیں
کیا سمجھ کر یہ چلے آئے ہیں اپنے جی میں
اُن سے پوچھو تو کوئی آپ ہیں کس گنتی میں

جانتا ہوں کہ ہوں اصل میں ننگِ اسلام
کچھ نہ اندیشۂ آغاز، نہ خوفِ انجام
میری آشفتہ مزاجی میں نہیں کوئی کلام
وہی میخانہ و ساقی، وہی بادہ، وہی جام
مجھ کو اپنی روشِ خاص سے انکار نہیں
میرے مشرب میں ریاکاری دیندار نہیں

باہمہ رندی و سرمستی و عشرت طلبی
ہوں درِ احمدِ مرسل کا غلامِ نسبی

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی — دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

کیوں نہ پھر رحمتِ باری کا طلبگار ہوں میں
ہاں مجھے فخر ہے اِس پر کہ گنہگار ہوں میں

و نارہ رسولِ عربی، فخرِ رسولانِ سلف — ذاتِ اقدس سے ملا جسکی زمانے کو شرف
جس پہ نازل ہوا قرآن سا کاملِ مصحف — جس کے تابع جن و انسان بھی ملائک کی صف بھی

اِک وہی شمعِ نبوت جو ضیا بار ہوئی
ساری تاریک فضا مطلع الانوار ہوئی

ہر زمانے میں پیمبر بھی، نبی بھی آئے — مُصلحِ ملی و ملکی بھی، رشی بھی آئے
حق کے جو بندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے — واقفِ محرمِ اسرارِ ازلی بھی آئے

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
کوئی آیا نہ مگر رحمتِ عالم بن کر

کس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو — کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو
راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو — کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو

تم نے دیکھا ہے بہت دفترِ پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو لو نام اس کا

تم بھی صدیق رضؓ سا گزرا ہو تو للہ دکھاؤ — تم نے فاروق رضؓ سا دیکھا ہو تو للہ دکھاؤ
کوئی عثمان رضؓ سا آیا ہو تو للہ دکھاؤ — کوئی حیدر رضؓ سا جو پایا ہو تو للہ دکھاؤ

ثانیٔ احمدِ بے میم تو کیا لاؤ گے
اُس کی اُمت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے

غم نہ کر مسلم حیرت زدہ و مُہر بلب
آشنا رنگِ فنا سے نہیں تیرا مذہب

یہ حوادث ہیں ترے تیری ترقی کے سبب
تیرے حامی ہیں نبی تیرا نگہبان ہے رب

فتنے اکثر بہت اس طرح کے اٹھوائے گئے
ایسے دجّال زمانے میں بہت آئے گئے

ہلالِ عید

ناتمام

نقشِ دورِ ابتدائی

آہ، او عشرت فزائے روحِ انسانی ہلال
آہ، او قدرت نمائے شانِ یزدانی ہلال

آہ، او فطرت لقائے بزمِ نورانی ہلال
آہ، او صبرت کشائے ذوقِ وجدانی ہلال

تو نوید انبساطِ خاطرِ پژمردہ ہے
حسرت اس پایوس پہ اسیر بھی جو افسردہ ہے

دیکھتا ہوں میں تجھے تو دیکھتا ہے میرا حال
جانِ مضطر قلبِ آزردہ پریشاں تر بال

تو دلیلِ اوج و رفعت میں سراپا پائمال   آہ یہ دن آہ یہ شب آہ یہ شامِ ہلال

از دلِ افگارِ جنوں، وجہِ دلِ افگاری مپرس
آہ غمخوارِ غمم، حالِ غم آزاری مپرس

حال میرا پوچھتا ہے مجھ سے تو اے بے خبر   ہو چکی تاریک چشمِ یاس میں شام و سحر
آہ وہ غم کی کہانی بڑھ گئی ہے کس قدر   جس کو میں سمجھے ہوئے تھا داستانِ مختصر

سال بھر پیچھے عیادت کو مری آیا ہے تو
لا دوائے اضطرابِ درد کیا لایا ہے تو

خیر تو خاموش ہی تو ہم سمجھتے ہیں یہ راز   خیر تو چپ ہے تو ہم خود ہی بجاتے ہیں یہ ساز
اٹھ گئی تھی جب سے تیری جانب اک چشمِ ناز   ہے اسی دن سے طبیعت تیری آمادہ گداز

تیرے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی پنہاں بھید ہے
تو قتیلِ غم نہیں ہے زندۂ جاوید ہے

مجھ میں تجھ میں اک زمین آسماں کا فرق ہے   میں ہوں مضطر تو ہوائے دلکشی میں غرق ہے
تیرے آگے زرد چہرہ آفتابِ شرق ہے   اور میرے واسطے تیری جھلک ہی برق ہے

ہاں مگر اک امتیازِ عاشقی مجھ میں بھی ہے
جانتا ہوں میں کہ جو مجھ میں ہے وہ تجھ میں بھی ہے

فرق اتنا ہے کہ تو ہے کامیابِ آرزو   ذرۂ حسرت ہوں میں تو آفتابِ آرزو
اٹھ چکا ہے تیری نظروں سے حجابِ آرزو   اور اب تک گم ہوں میں زیرِ نقابِ آرزو

لاکھ پر بھاری ہے، تیری ایک ہستی نحیف
دیکھ لینے سے ترے کھل جاتی ہے چشم ضعیف

ایک زمانہ تھا کہ تھی میری طبیعت بھی گداز — اب تو ہوں اک ہستی موہوم کا خاموش ساز
جتنے سجدے تھے جبیں میں کر چکا صرف نیاز — ہو چکی پیمائی غم، اٹھ چکے اب دل کے ناز

بدر تھا پہلے، مگر اب میں ہلالی ہو گیا
ہجر میں اتنا گھلا، نقش خیالی ہو گیا

آ کہ رخصت تجھ سے ہو لوں تیری رخصت دیکھ لوں — آ کہ دم بھر اور اپنا نقش حسرت دیکھ لوں
آ کہ تیرے آئینے میں خط قسمت دیکھ لوں — آ کہ اپنے دیکھنے والے کی صورت دیکھ لوں

دیکھ کر صورت تری جان اپنی دے دوں گا تجھے
اک دیکھا ہی تجھے، اب کے نہ دیکھوں گا تجھے

ناکمل

بر خویش نگاہ کن

نورِ مطلق کی ضیا اس عرش کے تارے میں دیکھ — اپنی خوابیدہ حقیقت دل کے گہوارے میں دیکھ
اختیاری حسن ہے یہ شورش و مستی تری — کچھ خبر بھی ہے تجھے کیا چیز ہے ہستی تری
ختم ہونے کے قریب آیا ہے افسانہ ترا — خود پیام مرگ ہے محدود ہو جانا ترا
قعر ہستی سے ابھر، اور اپنی خود آواز بن — نغمہ بنتا ہے اگر، تو نغمۂ بے آواز بن

تو چھپاتا کیوں ہے؟ اپنے حُسنِ عریانی کا راز
بوئے گل کی طرح پھیلا دے پریشانی کا راز

اک جُدائی کے سبب ہنگامہ برپا ہو گیا
مل گیا دریا سے جب قطرہ تو دریا ہو گیا

تشنگی کو بحرِ ناپیدا کنارِ دل بنا
بھر ابھیں موج جوں کو تو کشتی بنا ساحل بنا

ہر نفس میں تیرے پوشیدہ ہے میخانہ ترا
کل فضائے دہر اک چھوٹا سا پیمانہ ترا

زندگی کا رازِ پنہاں انتشارِ غم میں ہے
اک پیامِ مستقل ہر نغمۂ برہم میں ہے

غم سے وابستہ ہے ہر عنوانِ بابِ زندگی
ہے یہی بسم اللہ اُمّ الکتابِ زندگی

تخمیس بر غزل اُردو

غمِ عاشقی ہے، فغاں کو بکو ہے
ہر اک لحظہ، منظرِ نیا روبرو ہے
کہیں سبزہ و گل کہیں دشت ہو ہے
تری آرزو ہے، تری جستجو ہے
خیال ایک جانب، نگہ چار سُو ہے

محبت ہی ناظم، محبت ہی ناثر
محبت دکھاتی ہے کیا کیا مناظر
محبت ہی باطن، محبت ہی ظاہر
محبت ہی اول، محبت ہی آخر
محبت ہی میں ہوں، محبت ہی تو ہے

ترا وصل اچھا، ترا ہجر پیارا جو منظور تجھ کو ہیں سب گوارا
ترا شعلۂ عشق، آنکھوں کا تارا بھڑکتی ہوئی جان کا غم سہارا
دھڑکتے ہوئے دل کی تسکین تو ہے

وہ عارض شگفتہ گلِ باغ جنّت وہ پیشانی صاف، صبح سعادت
وہ چشمِ سیہ، سایۂ ابرِ رحمت وہ رنگ نزاکت، وہ حسنِ لطافت
کلی کا تبسم ہے، پھولوں کی بو ہے

کہیں عشق ہی عشق ہے مست و رسوا کہیں حسن ہی حسن ہے بادہ پیما
غرض چھان ڈالی محبت کی دنیا ان آنکھوں نے دیکھا ہی اک تماشا
کہیں میں ہی میں ہوں کہیں تو ہی تو ہے

وہ کہنے ہیں سب دل کے انداز کہیے محبت کا انجام و آغاز کہیے
ہر اک راز بے پردہ راز کہیے کہاں تک غمِ عشق شیرازہ کہیے
کہ ہر آرزو محشرِ آرزو ہے

تضمین بر غزل فارسی

گہے لختِ جگر می فروشم گہے حاصلِ چشمِ تر می فروشم
بہر گام لعل و گہر می فروشم نہ تنہا دل و جان و سر می فروشم

دو عالم بہ تیغ نظر می فروشم

ازل سے ہوں خو کردۂ پاسِ حرماں　مری طبع خود دادہ ہے ناپشیماں
مبادا اگر ہو مشکلِ شوق آساں　من آں دردمندم کہ درد درماں

دعا می فروشم، اثر می فروشم

جدا ہے زمانے سے میری طبیعت　گوارا نہیں ایک دم ایک حالت
وہی میں، وہی تو، وہی چشمِ رحمت　چہ ایذا پسندم، کہ در عینِ قربت

بشامِ جدائی سحر می فروشم

سنے تھے بہت، میں نے بھی یہ فسانے　لگا ہوں میں پھر سے کہنے، اگلے زمانے
دکھایا مجھے بھی یہ عشق و فنا نے　بہر لحظہ می گیرم از غیب جانے

بہر لمحہ جانِ دگر می فروشم

ترے ہاتھ سے ہوں شہادت کا خواہاں　نہ رکھ میری گردن پہ غیروں کا احساں
یہ جاں تیری صدقے یہ دل تیرے قرباں　بہ تیغِ اشارت سرافراز گرداں

بگردِ سرائے تو سر می فروشم

بلندی ہی باقی رہی اب نہ پستی　فدا تجھ پہ ہیں اور مری اے مے پرستی
یہی ہے بس اب حاصلِ حسن و ہستی　خوشا ذوق و مستی کہ ہم ذوق و مستی

بہ سرت گردم و بے خبر می فروشم

غزل می سرایم چہ حال و چہ قال است　خیال است مستی و ہستی خیال است

بجانِ محبت کہ خونم حلال است جگرا ایں چہ شور جگرا ایں چہ حال است

کہ سر دادم و باز سر می فروشم

مثنوی عرفانِ خودی

المعروف بہ

سرورِ حقیقت

میرا نہیں غیر کوئی محرم — سب مجھ میں ہے کائناتِ عالم
غنچوں میں نہاں ہیں میرے اسرار — پھولوں میں عیاں ہیں میرے انوار
ذرّوں میں چمک ہی میرے دم سے — قطروں میں جھلک ہی میرے دم سے
ہر بام ہے کوہِ طور میرا — عالم پہ محیط، نور میرا
ہے جسم میں سب کے جان مجھ سے — وابستہ ہے کل جہان مجھ سے
میں جسم بھی اور جان بھی ہوں — میں دل بھی ہوں زبان بھی ہوں
یعنی یہ جہاں نہیں ہے میں ہوں — یہ کون و مکاں نہیں ہے میں ہوں
کعبے کی مرے سبب سے بنیاد — بُت خانہ مرے قدم سے آباد
ناقوس کہیں کہیں اذاں ہوں — نغمہ ہوں کہیں کہیں فغاں ہوں
ہر قلب میں ہے مقام میرا — فیضان ہے سب پہ عام میرا

حسن ایک نگاہِ ناز میری — عشق اک صفتِ نیاز میری
دریا مری چشمِ تر سے پیدا — صحرا مری خاکِ در سے پیدا
کیا ان کا بیاں کریں زبانیں — محدود نہیں ہیں میری شانیں
ہوش و خرد و ہوس سے باہر — ہیں اُن کی دسترس سے باہر
اک بحر ہے میرے ظرف میں گُم — کن میرے ہر ایک حرف میں گم
خود موت ہوں خود حیات ہوں میں — خود ذات ہوں خود صفات ہوں میں
سب اصل و مجاز میرے انداز — کونین کا راز میرے انداز
کھلنے پہ جو آئیں میرے اسرار — اوراق ہوں دو جہاں کے بیکار
اک بات میں سیکڑوں ترنم — اک چپ میں ہزار ہا تکلم
چہرے سے جو میں نقاب اُٹھا دوں — پروانوں کو شمع سے چھڑا دوں
دامن کو اگر نچوڑ دوں میں — دریا کا غرور توڑ دوں میں
احساس کی آنکھ سے ہوں مستور — ادراک کی سرحدوں سے ہوں دور
کیوں کر ہوں مرے شمار عالم — ہر سانس میں ہیں ہزار عالم
لیکن بخدا خدا نہیں ہوں — اس کفر میں مبتلا نہیں ہوں
یہ شانِ عبودیت ہے میری — خود ذات مری صفت ہے میری

پابندِ شریعتِ نبی ہوں
خاکِ درِ دولتِ غنی[۱] ہوں

---

۱ مرشدی و ملجائی حضرت مولانا قاضی سید عبدالغنی منگلوری ۱۲ جگر

واسوخت در غزل

دل ہی کو صنم بنائیں گے ہم　　آئیں گے کہیں نہ جائیں گے ہم
تجھ سے بھی سوا حسین بن کر　　اپنا سا تجھے بنائیں گے ہم
وہ دن بھی قریب ہیں کہ ظالم　　تو روئے گا مسکرائیں گے ہم
باطن میں ترے قریب رہ کر　　ظاہر میں نظر نہ آئیں گے ہم
زندہ ہی رہے گی ہستیٔ عشق　　مرنے پہ بھی مر نہ جائیں گے ہم
چھٹتا ہے کہیں ترا تصوّر
ساتھ آئے ہیں ساتھ جائیں گے ہم

کوئی جو نہیں، نہ ہو ہمارا　　اللہ سے لو لگائیں گے ہم
تعمیرِ کنشت دل کو ڈھاکر　　اک کعبۂ نو بنائیں گے ہم
روپوش تری نظر سے ہو کر　　پھر دل تجھے یاد آئیں گے ہم
باطن میں ہو جو بھی دل کی حالت　　ظاہر میں بہت ستائیں گے ہم
ہر بات میں کر کے بات پیدا　　جب چاہیں گے روٹھ جائیں گے ہم
پہلے دے کر، فریب وعدہ　　امیدِ کرم دلائیں گے ہم
پھر کر کے خرابِ شوق برسوں　　صورت نہ تجھے دکھائیں گے ہم

جنگل جنگل رُلانے والے کونے کونے، رُلائیں گے ہم
دیوانے کی بڑ سمجھ نہ اس کو جو کہتے ہیں کر دکھائیں گے ہم
بیزار جگر کی شرم رکھ لے
کہہ دے، ترے ناز اُٹھائیں گے ہم

میرے لئے

اُف وہ روئے تابناک وچشم تر میرے لئے
ہائے وہ زلف پریشاں تا کمر میرے لئے
ہر نفس میں ایک دنیائے محبت نَو بہ نَو
ہر نظر میں اِک پیامِ تازہ تر میرے لئے
حیف وہ لغزیدہ لغزیدہ قدم میری طرف
ہائے وہ دزدیدہ دزدیدہ نظر میرے لئے
وہ رُخِ رنگیں پہ انوارِ محبت زرد زرد
وہ لبِ نازک پہ طوفانِ شرر میرے لئے
سر سے پا تک آہ وہ اِک پیکرِ حُسنِ حزیں
چار جانب دیدۂ حسرت نگر میرے لئے

سرد سرد آہوں میں تاثیرِ محبت گرم گرم
خشک خشک آنکھوں میں جوشِ اشکِ تر میرے لئے

جوشِ غم، جوشِ حیا، آغازِ عشق احساسِ حسن
کشمکش ہی کشمکش آٹھوں پہر میرے لئے

سامنے آنے ہی آتے وہ تنفس تیز تیز
سینۂ شفاف وہ زیر و زبر میرے لئے

وہ سرک جانا یکایک روئے تاباں سے نقاب
حیرت افزا رونقِ دیوار و در میرے لئے

ہر ادائے جاں نوازی، حسن خیز و عشق بیز
پھر بھی ہر اک سعیٔ پیہم بے اثر میرے لئے

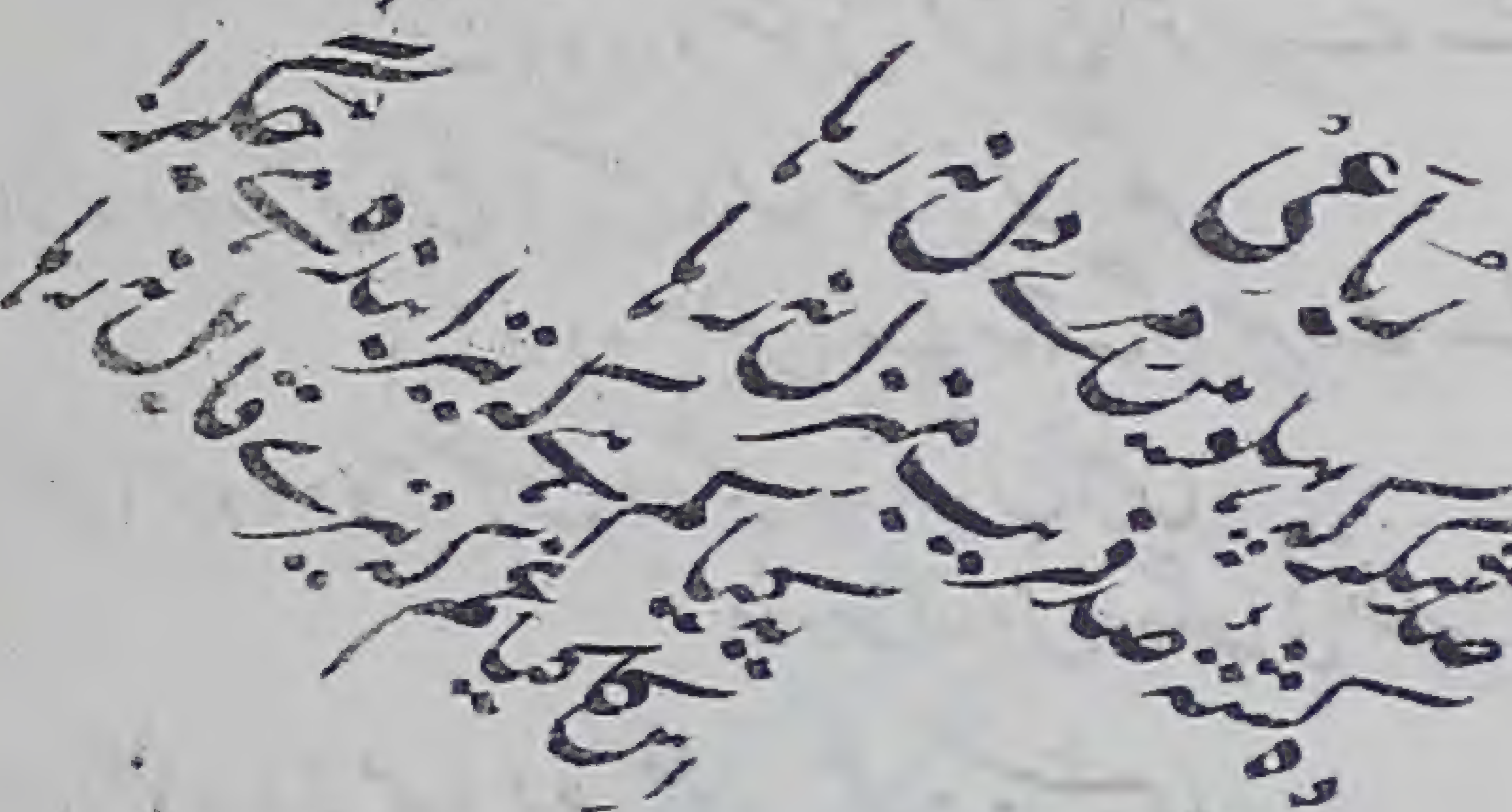
اُف وہ آغوش نہی، بیتاب آغوشِ دگر
اُف وہ دردِ شوق محتاجِ اثر میرے لئے

ہائے وہ رنگیں رُخ و سیمیں تن و زریں کمر
ہائے وہ لعلیں لبِ ساکِ گہر میرے لئے

شبنم آلودہ وہ آنکھیں وہ گلاب افشاں جبیں
وہ دھڑکتا دل وہ گھبرائی نظر میرے لئے

اس نگاہِ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشیں

معنیٔ بے لفظ و شرحِ مختصر میرے لئے
میں سراپا بے نیازِ ربط و ضبطِ حسن و عشق
وہ مجسم حسن و عشقِ معتبر میرے لئے
وہ مری آزادیٔ فطرت وہ مری تمکینِ ہوش
وہ شکستِ حسن وہ نیچی نظر میرے لئے
اوّل اوّل آہ وہ دل میں مرے احساسِ عشق
آخر آخر اُف وہ نوکِ نیشتر میرے لئے
لحظہ لحظہ وہ مرا پیہم سکوتِ مضطرب
لمحہ لمحہ عالمِ نوعِ دگر میرے لئے
اُف وہ کہنا اُس کا پھر بانہوں میں بانہیں ڈالکر
ہیں جگر کے واسطے ہوں اور جگر میرے لئے



بادۂ شیراز

(کلامِ فارسی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الف

ای کہ می پرسی ز کارِ ما و بیہد کارِ ما — چاک شد از دستِ ما ہر پردۂ اسرارِ ما
ما دبیکِ نظارۂ نقش و نگارِ حسنِ خویش — شاہدِ طنّاز فطرت آئینہ بردارِ ما
صد حقیقت عرض میکرد ای سکوتِ بیخودی — پردہ دارِ حرفِ مطلب شد لبِ گفتارِ ما
صد بہارِ خلد، یعنی خندۂ دزدیدہ است
شورِ محشر چیست ؟ غوغائے پسِ دیوارِ ما

بیا کہ جانِ ما بہین سرورِ جاودانِ ما — ہزار بادہ می چکد ز جانِ ما بہ جانِ ما
شراب ساغر و سبو، گل و بہار، آب جو — دو صد جہانِ رنگ و بو بہ دیک جہانِ ما
گلے ز جامِ سرخوشی، خوشی و صد شگفتگی — شگفتگی و صد خوشی، ز سرخوشی شانِ ما
نسیمِ شکرِ غم کند، وظیفہ دم بہ دم کند — سرِ نیاز خم کند، بہ خاکِ آستانِ ما
بیا بنوش جامِ مے چہ جامِ مے تمام مے — کہ با وداذن عامِ مے خوش است ارمغانِ ما
کنون بہ سوئے ما نگر، بہ رنگ و بوئے ما نگر — بہ حسنِ روئے ما نگر، چہ حاجتِ بیانِ ما
بہ ہر زمیں کہ جستہ ایم، طلسمِ تازہ بستہ ایم
غزورہا شکستہ ایم، گواہِ ما، بیانِ ما

ت

آوارہ ہر نگاہ ز جرم نگاہ کیست؟ دیدن گناہ ماست ندیدن گناہ کیست؟
دیوانہ وار جاں بفشاندن گناہ من بیگانہ وار رخ ننمودن گناہ کیست؟
پیدا ز ہر نگاہ خریدم ہزار حسن پنہاں بہ یک نگاہ ندیدم نگاہ کیست؟
مستانہ اہل درد و نہ بینند یک نفس در دامن نسیم سحر خاک راہ کیست؟
مطرب بزن سرود بہ انداز دلبری ایں دشنہ باز خواں کہ نگاہم نگاہ کیست؟
سرمستیم ربودہ ز بے دل بہ سینہ ہا عکس نگاہ تیرہ ز زلف سیاہ کیست؟
عالم ہمہ نگاہ و صدائے ز ہر نگاہ ایں عالم نگاہ، فریب نگاہ کیست؟
شغل گناہ کردن و رفتن گناہ من ذوق گناہ دادن و دیدن گناہ کیست؟
ساقی! ابر نیز بادہ و از کیف سرمدی آں ہم یکے نگاہ کہ گوییم، نگاہ کیست؟
ہستی تمام مستی و مستی تمام کفر دائم بہ جام و میکدہ کافر نگاہ کیست؟

صد نقش سجدہ، تا در بتخانہ دیدہ ایم
ایں ہم جگر اشارہ طرف کلاہ کیست؟

د

بوئے دل از غبار می آید شاید آں شہسوار می آید

این ندائے زِ دار می آید جان فدا کن، کہ یار می آید
عشق در ہر دیار نالہ کند حسن از ہر دیار می آید
سینہ خالی کنید از دل ہا یار بہرِ شکار می آید
مژدہ اے دل کہ بہرِ استقبال رحمتش، بیقرار می آید
ہمنشین رازِ عشق می پرسد نالہ بے اختیار می آید

من بہ پنہانِ جگر تلاشش کنم
او مگر آشکار می آید

مست و سرشار زمین لمس صبا می آید مژدہ اے دل کہ مسیحا بہ قفا می آید
بردائے ناصح نادان اگر اورا بدنام کز جفاہاش مرا بوئے وفا می آید
خواہ در صومعہ رو خواہ بہ میخانہ نشین او بہ ہر رنگ کہ خواہی بخدا می آید
دلم از سوزِ تغافل ہمہ تن شعلہ بجاست در کنم شکوہ ازان نیز حیا می آید

دیدن اینست کہ جان تازہ چو گردد تسنیم
دیدن اینست کہ آخر ز کجا می آید

لب بہ بستند و بہر موئے زبانم دادند پا شکستند و بہر سوئے نشانم دادند
تاب از دل ببریدند و فغانم دادند تیر از دست ببردند کمانم دادند

دل سرگشتہ و چشم نگرانم دادند
آنچہ دادند پئے شورشِ جانم دادند

گویند کہ ہم زاہد دردیدہ بصر دارد — دارد بصرے اما تعیین نظر دارد
از ذات و صفاتِ او آنکس کہ خبر دارد — ہر لحظہ و ہر ساعت دنیائے دگر دارد
بے کیفیِ دردِ عشق صد کیف و اثر دارد — زیں سرِ نہاں لیکن ہر کس نہ خبر دارد
زیں اصل و نزاکت ہا زاہد چہ خبر دارد — کو حسنِ نظر دارد جنت بہ سقر دارد
آں کس کہ بخویش آمد در بیخبری گم شد — واں کس کہ ز خود گم شد از حلیہ خبر دارد
لرزیدن و رقصیدن اے صوفیِ بے معنی — ایں حیلہ کہ تو داری ہر شعبدہ گر دارد
در عینِ وصالِ او یا ہم اثرِ دوری — اے بیرہ عشقم ایں پردہ کہ بر دارد
از حسنِ عمل غافل یک لحظہ مباش اے دل — ہر شے کہ تو می بینی واللہ کہ نظر دارد
مفتی بحقِ منصب بنوشت عجب فتوی — کافیست پئے قتلش ایں جرم کہ سر دارد
آں مے کہ بہ میخانہ آتش زند اندر دل — در خانقہِ زاہد تاثیرِ دگر دارد
در عینِ فنائے عشق از خضر چہ کار اے دل — ایں رہ کہ بہ پیماید از سایہ حذر دارد
من عاشقِ آں شوخم کو از محبوبی — مانوس دلے دارد بیگانہ نظر دارد
با حیلہ قدح خوراں ہر چند کہ رندے ہست — با دور کشاں ساقی پیمانِ دگر دارد
در عاشقی و مستی ہشیار بیا اے دل — ہر ذرہ دریں صحرا طوفان شرر دارد

آں رندِ خراباتت نامش کہ جگر خوانی
بر روئے صفائے تو ہم از تو نظر دارد"

کسے کو چشمِ بیدارے ندارد — ز انوارِ خودی کارے ندارد

جنونِ عشق، اے دل مستند نیست اگر ہر آبلہ خارے ندارد

جنونِ عشق، ما را قید کردست
در آں زنداں کہ دیوارے ندارد

دل بہ تمنا بمرد، جاں بہ مسیحا رسید ذرّہ بصحرا برفت، قطرہ بہ دریا رسید

ایں غمِ دنیا و دیں تا بہ کجا روز و شب
خیز کہ بادِ بہار، با مے و مینا رسید

خبرے ہیچ ز منزل گہ جاناں نہ رسید عمر آخر شد و افسانہ بیاباں نہ رسید

از شبابش شراب می ریزد ز آفتاب، آفتاب می ریزد

عجب ہنگامہ، زیرِ بام کردند تماشا خاص و سودا عام کردند
تنک ظرفی خمارے کرد پیدا
مے دوشینہ را بدنام کردند

ر

در رہِ عشق شادماں بگزر ہم جواں خیز و ہم جواں بگزر
پردہ بردار! از رخِ عالم واندراں بزم ناگہاں بگزر

گاہ نعرہ کناں و مست برو　　گاہ با نالہ و فغاں بگزرا
سینہ بشگاف و جلوہ حاصل کن　　جاں بکف آر و از جہاں بگزرا
گر تو داری ہوائے ملک حبیب　　خیز و از قید جسم و جاں بگزرا
پا بجولاں بہ پیش یار برو　　دست افشاں ز این و آں بگزرا
رہِ منزل شدست خارستان　　باز با چشمِ گل فشاں بگزرا
درد اگر نیست، نالہ سنج مشو　　گر مکیں نیست، از مکاں بگزرا
لطفِ نظارۂ جمالِ حبیب　　حاصل اینست و ہم ازاں بگزرا

ہم چو نقشِ قدم جگر منشیں
صورتِ گردِ کارواں بگزرا

ش

کعبہ در پائے یار دیدم دوش　　ایں چہ گفتی جگر! خموش خموش
حسن پنہاں و جلوہ ہاست بجوش　　اصل خاموش و فرعہا بخروش
ہوش در مستی است و دل مدہوش　　نغمہ در ساز و سازِ ما خاموش
سحرم آمد ایں ندا ز سروش　　سینہ بخراش و بیہدہ مخروش
از رہِ خانقہ گزشتم دوش　　خاست ناگہ صدائے نوشا نوش

دلِ پریشاں حواس و حسنِ نیاز — شیشہ نازک تر است بادہ بجوش
اَے اسیرِ تعیّناتِ جہاں — تو چہ دانی کہ چیست مستی و ہوش
بادہ پیش آر تا کنم آغاز — داستاں ہائے عشقِ آفت کوش
حسن در جنگ زرگری است بہ عشق — عشق را گو کہ وا کند آغوش
عشق در بے لباسیم، فرمود — بجز ایں، دیگرے لباس مپوش
بے خبر رَو کہ ہوش در مستی است — ہوشیار آ، کہ بیخودی است بہ ہوش
ایں بود جسم ما شود بے حس — آں مبادا، کہ جاں شود خاموش
گفتہ بودم، فسانہ از مستی — تو شنیدی چرا ز عالم ہوش

قاضیا[1]! ایک نظر بسوئے جگر!
آں کہ یک خادم است و حلقہ بگوش
شبِ مہ است و لبِ جوئے و فتنہ ہا خاموش
بگیر! جام بگیر د، بنوش! بادہ بنوش!!

ل

آں کیست نہاں در غم؟ ایں کیست نہاں در دل
دل رقص کناں در غم، غم رقص کناں در دل

---

[1] مراد از ذات اقدس مولائی و مرشدی حضرت مولانا الحاج قاضی سید عبدالغنی شاہ صاحب منگلوری نوراللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

جاں از دل و دل از جاں بیگانہ و مستغنی
گاہے بہ چنیں در جاں گاہے بہ چناں در دل

سیری ز غمِ عشقش از وصل نہ شد ہرگز
صد شوق ہماں در جاں صد ذوق ہماں در دل

ہر آنچہ، نہانست ایں، سازند عیاں بر خلق
ہر آنچہ عیانست آں، گردند نہاں در دل

م

دلِ عطا کن تا درونش زمزمہا پیدا کنم ‌ دیدہ دہ! تا بر درونش دلرُبا پیدا کنم
از جلالِ غیرتت صد طرہ ہا برہم زنم ‌ وز جمالِ رحمتت صد جلوہ ہا پیدا کنم
گہ ز خونِ خلق خود برپا کنم شورِ انا ‌ گہ ز پاکِ سینۂ خود برقِ لا پیدا کنم
گہ ز بارنگیِ صورت در جہاں آتش زنم ‌ گہ ز بارنگیِ نسبت رنگ ہا پیدا کنم
بیخودی در دہ کہ مستانہ شوم بر تو فدا ‌ وز خودی بگذار! ما را تا خدا پیدا کنم
در زبانِ بے زبانی ماجرائے گفتنی ست ‌ حکم فرما تا صدائے بے صدا پیدا کنم
یک نگاہِ کارفرما از جہانِ دلبری ‌ کز فنائے خویشتن ملکِ بقا پیدا کنم
الفراق اے دل کہ بہرِ ذرہ می باید لقا ‌ الوداع اے جاں! کہ بہرِ یار جا پیدا کنم

یک دمے بگذار مارا از نصیحت ها جگر!
تا ز آهِ مضطرب دستِ دعا پیدا کنم!

اے دیده اگر خواهی! آبے ز ستمگر هم — آهسته بریز! آبے تا کم نه شود تر هم
داریم، به دل چیزے نازک ز گلِ تر هم — اے موجِ نسیمِ صبح نز ایں طرز سبک تر هم
از عینِ لطافت هست شاید نه شود برهم — اے عاشقِ نظاره! دیدار سبک تر هم
آں می که بسے خوردم، زیں بیش همی بوید — اے واعظِ خوش نیت! برخیز! از کوثر هم
ایں موجِ نسیمِ صبح، دل را که بجنباند — می داشت مگر نسبت زاں زلفِ معنبر هم
دل داشت بسے غم ها، دیدیم جگر آخر — تاراجیِ افسر هم، بربادیِ لشکر هم
در سایهٔ زلفِ او چوں رفت ز خود گم شد — آں آه که باز آمد، زیں گنبدِ بے در هم
تنها نه منِ بے دل، در هجرِ تو رنجورم — صد خوں به فلک دیدم، از دیدهٔ اختر هم
زاهد به نماز و حج یک جلوه زد و رفتش — من عکسِ رخش دیدم نزدیک بساغر هم
اے اهلِ وفا بینید! ایں طرفه جفائے او — کاتش بزند در دل، در آب کند تر هم

خاموش فغانے کن! هر موئے زبانے کن!
زیں طرح جگر مخروش! تا دانه کند برهم!

نذرِ عقیدت

بحضور مرشدی و مولائی الحاج قاضی سیّد عبد الغنی شاہ صاحب
منگلوری نور اللہ مرقدہٗ

مست و سرشار و غزلخواں می روم — از سرِ جاں سوئے جاناں می روم
جام در دست و صراحی در بغل — با چہ ساز و با چہ ساماں می روم
عشق دشوار ست و شوقم رہنما — راہ پُر خار ست و آساں می روم
یوسفِ گم گشتہ ام در مصرِ عشق — باز سوئے پیرِ کنعاں می روم
در بلائے عشق خود را کردہ گم — در ہوائے شوق رقصاں می روم
دل بسویش بستہ فارغ از جہاں — رُخ بسویش کردہ حیراں می روم
ہستئ عشقست و یادِ روئ دوست — ہم بکفر و ہم بہ ایماں می روم
معنئ عشقست، ترکِ ہر طلب — من بہ غم ہائے فراواں می روم
جاں ہماں غم ساختہ، رقصم بہ عشق — دل ہمہ خوں کردہ خنداں می روم
خاکِ منگلور[1] را لمست چوں دامن کشاں
از دو عالم دست افشاں می روم

---

[1] منگلور ضلع سہارنپور آستانہ حضرت مرشدی و مولائی قدس سرہٗ ۱۲ جگر

صدمۂ انتظار را چہ کنم؟ چہ کنم؟ جانِ زار را چہ کنم؟
کردم از روزگار قطعِ نظر کششِ روزگار را چہ کنم؟
او بکار است و ہم جہاں در کار دلِ ناکردہ کار را چہ کنم؟
توبہ کردم ز مے پرستی، لیک ابر و بادِ بہار را چہ کنم؟
ترکِ یاری دیار، آسانست مشکل اینست، یار را چہ کنم؟
بوئے آں پیرہن بیار! نسیم بوئے باغ و بہار را چہ کنم؟
یار در باغ و من بہ صحرا است دلِ وحشت شعار را چہ کنم؟
روئے رنگینِ یارِ من بنما ساغرِ زرنگار را چہ کنم؟
او بخواب است و فتنہ ہا بیدار حسرتِ بے قرار را چہ کنم؟
ضبط چیزے است ناصحا! لیکن دردِ ہمت شکار را چہ کنم؟
آں گل و آں بہار ما را بس ایں گل و ایں بہار را چہ کنم؟
ہجر دشوار و وصل آساں تر لیک، آئینِ یار را چہ کنم؟

موجِ خوں از سرم گذشت جگر!
من لبِ جوئبار را چہ کنم؟

من کہ آزار کشِ غمزۂ خوں ریزِ تو ام معذرت خواہِ نگاہِ کرم آمیزِ تو ام
شادم از لذتِ دیدار و ز سرمستیِ شوق بیخبر از اثرِ حسنِ دلاویزِ تو ام
نگہِ لطف بفرما، بہ منِ زار کہ من تو گرفتارِ خمِ زلفِ بلاخیزِ تو ام

ن

بنشین بخیالِ او، و نزدیک آ ہے کُن
زاں بعد ز سر تا پا بر خویش نگا ہے کُن
زلف از رُخِ خود بردار او ز لطف نگا ہے کُن
یعنی شبِ تارم را، رشکِ شبِ ما ہے کُن

ہ

مطرب نَن سُرود ے ساقی بیار باده ۔ تاجاں شود منوّر تا دل شود کشاده
در شوقِ آرزویت سرگرم جستجویت ۔ ہم عاشقان رنگیں، ہم زاہدانِ جاده
حُسنے و خونِ عاشق عشقے و خوئے تسلیم ۔ او تیغِ ناز در کف، من سر بپا نہاده
دل ہا کہ تیره گشتند، از زنگ کفر غفلت ۔ روشن نمی تواں کرد، الا ز نورِ باده
چوں در بہشت رفتم، دیدم ہمیں تماشا ۔ زہادِ خشک و خشک و حورانِ ساده ساده
در کوئے مے فروشاں دیدیم زاہداں را
سجاده رہن کرده، تقوی، بہ باده داده
اے کہ ز شوئے عاشقاں پرده بُرخ کشیده ۔ جامۂ صبر و عقل و ہوش از ہمہ جا دریده
از دلِ من نہاں مشو! اے کہ تو جانِ عاشقی ۔ از نظرم نہاں مشو! اے کہ تو نورِ دیده
بیخبرم ز خویشتن، ورنہ تو صبحِ ہزاریا ۔ گاه زجاں گزشتہ، گاه بہ دل رسیده

ی

نذرِ عقیدت بحضورِ اقدس مولائی و مرشدی قدس اللہ سرہٗ

دیدیم بہ میخانہ پیرے ز جوان اَو وَلے
مژگانش بہ از تیر و ابرو ز کمان اَو وَلے

از عشرتِ بے حقیقت صد آہ و فغان اَو وَلے
ایں رہ کہ تو دادی واللہ کہ ز جان اَو وَلے

از بارگہِ حسنش یک شمّہ مپرس از من
رازیست کہ می فہمد چشم نگران اَو وَلے

ایں یک ستمِ ظاہر خوش تر ز ہزار الطاف
واں یک نظرِ پنہاں از ہر دو جہان اَو وَلے

صد بار بہ من گفتی از ترکِ غمش ناصح
ایں نکتہ نہ فہمیدی در عشق زیان اَو وَلے

از قربت و از دوری ہر چہ کہ بپسندی
حقّا کہ ہماں خوش تر حقّا کہ ہماں اَو وَلے

ہر چند دریں مستی تمکین تو ہم خوب است
در ضبطِ تبسّم لیکن مستی ست ازاں اَو وَلے

ایں نظم جگر گفتی ہم گل گفتی و در سفتی
ہم رنگ زباں بہتر، ہم حسن بیاں اَو وَلے

مست است جگر از مے مست مے ناب اَو وَلے
او خانہ خراب ہست، او خانہ خراب اَو وَلے

من طالبِ آزارم، آرام نمی خواہم
بر جانِ من خستہ صد گونہ عذاب اَو وَلے

از خرقہ و عمامہ، من ہیچ نمی دانم
گہ گہ مگر ایں ساماں در رہنِ شراب اَو وَلے

در آرزوئے بحرے، می پوئیم و می جوئیم　　زیں موجہ و زیں دریا، بار است سراب اولیٰ

بسیار ندم گفتی، وز من بشنو واعظ　　از ہر دو جہان تو، یک جام شراب اولیٰ

من عاشق شیدا ام، از غیر ندارم کار　　کز مہر فلک از تو، صد چشم عتاب اولیٰ

من ساغر مے در کف، مطرب تو بخواں بر دف　　صد توبہ بہ صد طاقت غرقِ مےِ ناب اولیٰ

تا کے جگر ایں مستی، بشنو سخن حافظ

رندی و خراباتی در عہدِ شباب اولیٰ

اے آنکہ بہم کردہ ہشیاری و سر مستی　　یک جرعہ خدا را دہ زاں میکدۂ ہستی

غافل ز دلم منشیں، اے جانِ سر مستی　　صد نغمہ برانگیزد سازے کہ تو بشکستی

صد حسن دراں پنہاں، صد جلوہ ازاں پیدا　　قربانِ نگاہِ تو، نازیم بایں مستی

ز اول گامِ عشق، کردیم نثار حسن　　دنیا و غمِ دنیا، ہستی و غمِ ہستی

گہ تا فلک اندیشم، گہ بے خبر از خویشم　　گاہے بجہاں ہوشے، گاہے بجہاں مستی

آں رند خراباتے نامش کہ جگر خوانند

صد ہوش بجاں دارد، با ایں ہمہ سر مستی

گر از سرے بیابم، صد عمرِ جاودانی　　بر من حرام بادا، اے دوست زندگانی

ہیچ است زندگی و اسبابِ زندگانی　　بگذر از تماشائے ایں پردہ ہائے فانی

کارے ست مشکل، اما اے دل اگر تو دانی　　دریاب زندگانی، از اصلِ زندگانی

عمرے ست فانی اما سرے ست جاودانی　　اے گوشہ گیرِ خلوت ایں نکتہ ہا چہ دانی

یک جام تند ساقی! تا خاش خاش گویم | زاہد خبر ندارد ز اسرارِ زندگانی
ہم از برائے قتلش دستِ قضا ست پنہاں | پیری کہ در ربود دست تاج از سرِ جوانی
ایں نہ رواقِ اخضر در پائے او فگندند | کو ہیچ شئے ندارد جز دردِ جاودانی
من زابتدائے عشقت کاہیدہ تر ز کاہم | طاقت کجا کہ چینم گل از رخِ جوانی
عشقم چہ کار کرد و حسنت چہ گل شگفتہ | ایں راز از دلین ست من دانم و تو دانی

ہر روز فیض گیرم از روح قدس حافظ
بر من جگر گواہ است ایں جوشِ ایں معانی

ہر دم ز ناز تازہ با عاشقاں بازی | گاہے ز دل گدازی گاہے جاں نوازی
اے آنکہ یک اشارت صد عقدہ ہا کشائی | رحمے بحالِ ما ہم شاہنشہِ حجازی

برخیز داز سرِ صدق در راہ او قدم زن
تا کے جگر! بہ مستی تا کے بہ عشق بازی

فارغ ز خزانے و ہم از باغ و بہارے | مائیم و خیالِ رخِ خورشید نگارے
دیدم بہ در دیر عجب شعبدہ کارے | میخانہ بدہ شئے و گلستاں بکنارے
بربادیٔ ما پرس از آں سینہ فگارے | در عین بہارے کہ جدا شد ز بہارے
چیزے منگر بر تن لاغر ز بہارے | افسانۂ ما پرس ز نوکِ سرِ خارے
نفسیم بہ ہوائے من و رویم طرفِ عقل | دشمن بہ ہمینے و نگاہم بہ بیسارے
یک داغ ز آتشکدۂ عشق بہ سینہ | ایں ہست خزانے و ہمینا ست بہارے

شکمِ سبز مژگاں ست، کہ شبنم بہ سرِ شاخ — شبنم بہ سرِ شاخ ست کہ منصور بہ دارے
صد بار گرہ بستیم ز ہر مرحلۂ عشق — حیرت بہماں طرزِ آئینہ دارے
بلبل ہمہ تن خون شد و گل شد ہمہ تن چاک — اے وائے بہارے اگر این ست بہارے
اغیار بہ دل خندہ زن و دل بتو مشغول — خلقے پسِ دیوانہ و دیوانہ بکارے

اَے خسروِ خوباں، نظرے کن ز سرِ مہر
اُفتادہ بہ کویت جگرِ سینہ فگارے

سحرم ندا برآمد ز حجاب ہائے رازے — کہ "حریم ماست بالا ز حقیقت و مجازے"
برساں صبا پیامم، بہ حبیبِ دلنوازے — کہ "ز حد گزشت شوق و غمِ عشق جانگدازے"
بہوائے عیش تا کے، تو بہ خوابگاہ نازے — کہ ز سوزِ دردمنداں ہمہ عالم ست بسازے
تو مرا بگو کہ جاناں چہ کنم بجان زارے — کہ تمام موئے جسمم ز غمت است بے نوازے
ہمہ شہر فتح گشت و بہماں نیاز و نازے — دلِ غزنوی اسیرِ خمِ طرۂ ایازے
بہ میانِ جان و جاناں چہ قیامت ست رازے — رُخِ او نظارہ سوزے دلِ من نظارہ سازے
ہمہ جلوہ عکسِ رویت، ہمہ نغمہ گفتگویت — زہے باصرہ فروزے زہے سامعہ نوازے
ز نوائے کفر خیزم، ہمہ کعبہ بت نہفتہ — ز ادائے سجدہ ریزم، ہمہ بتکدہ حجازے
تو ز خاکِ ما حذر کن کہ دریں مقامِ اعظم — دلِ نار شعلہ گیر دز تجلی نیازے

جگرِ حزیں! چہ نازی، بمتاعِ جذبۂ دل
تو سپرد کارِ خود کن، بخدائے کارسازے

من برا است است گو ہم دارم گل جوانی ۔ گلچیں اشارہ فرما، بلبل بدہ نشانی
آن جام ہوش در کف، این پای عقل در گل ۔ آن ست عشق جانان این ست عشق جانی
اے جان بیقراراں! ناگہ ز در درآ ۔ کز سوز اشتیاقت کار آمدہ بجانی

ہمت اگر تو داری، در عشق کوش اے دل
ایں جان تازہ برگیر، از بارگاہ جانی

شب میکدہ چو رفتم، دیدم عجب بہارے ۔ ساقی ست مست و بیخود، زند است ہوشیارے
در شوق ماہ روئے دریا و گلعذارے ۔ ہر جا نظر فگندم دیدم بہشت زارے
شوقے و درد و وصلے، عیشے و ہجر یارے ۔ ساقی بدہ پیالہ، تا بشکنم خمارے
دیروز بر در دیر، دیدم عجب نگارے ۔ پیمانہ در نگاہے، میخانہ در کنارے
آنجا کہ نیست ساقی، اندیشۂ خمارے ۔ زاں میکدہ عطا کن یک جام زرنگارے
ہشیار بگذر اے دل در راہ عشق و مستی ۔ ہر موج مے درین جا بحریست بے کنارے
رازے عجب شنیدم، از عاشقے کہ می گفت ۔ باہم و ہجر و وصلے، وصلے و ہجر یارے
در عاشقی و مستی، مگریز از ملامت ۔ کاین خاک راہ کوئش تا چیست زرنگارے
ہر قطرہ کہ بینی، در آب زندگانی ۔ ہم موج و ہم سفینہ ست ہم بحر و ہم کنارے
ایں راکہ شرح کردند، ایں ست کل فسانہ ۔ منصور بود شخصے، مشہور شد بدارے

تو اے کہ نرگس مستانہ داری ۔ بہ یک ساغر عجب میخانہ داری
من بیدل نہ تنہا عشق خیزم ۔ تو ہم افسانہ در افسانہ داری

سراپا

ناتمام

دِل بُرد از من دیدہ ورشامے   فتنہ طرازے، محشر خرامے
روئے مبینش، صبحِ تجلّےٰ   لوحِ جبینش ماہِ تمامے
مشکیں خطِ او، سُنبل بہ گلشن   لعلیں لبِ او، بادہ بہ جامے
چشمے کہ کوثر یک جرعۂ اُو   قدّے کہ طوباش اُدنیٰ غلامے
عارض، چہ عارض، گیسو چہ گیسو   صبحے چہ صبحے، شامے چہ شامے
آں تیغِ ابرو، واں تیرِ مژگاں   آمادہ ہر یک بر قتلِ عامے
برقِ نگاہش، صد جاں بہ دامن   زلفِ سیاہش، صد دل بہ دامے
ہر عشوۂ او، شیریں مقالے   ہر غمزۂ او، رنگیں پیامے
از جسم لرزاں، لرزاں دو عالم   وز زلفِ برہم، برہم نظامے
گاہے بہ مستی، طاؤسِ رقصاں   گاہے بہ شوخی، آہو خرامے
از بارِ مینا، لرزش بہ دستے   وز کیفِ صہبا، لغزش بگامے

گفتم چہ جوئی؟ گفتہ دل و جاں
گفتم چہ خواہی؟ گفتہ غلامے

پیرویِ صحابه کن، اسوهٔ پنجتن نگر!

خطاب به مسلم

چشم کشاد جانبِ رزم گهِ وطن نگر — مقتلِ کانپور بین، لاشهٔ بے کفن نگر
خونِ حیات سو بسو، خاک بسر رشته مو بمو — حلقِ بریده کو بکو، بچه و مرد و زن نگر
عشقِ نظاره ساز را، برقِ خانمان ببین — حسنِ نظاره سوز را، شعله به پیرهن نگر
بر تنِ حسنِ نازنین، آه ز فرق تا قدم — زخمِ شفق شفق ببین، داغِ چمن چمن نگر
دیدهٔ عشوه زا کجا؟ خفته بخوابِ مرگ ببین — شوخیِ رنگِ رخ کجا؟ سرخیِ پیرهن نگر
طفل و جوان و پیر را صف بصف بهم بهم — دست جدا ز ساعد و فرق جدا ز تن نگر
بچهٔ شیرخوار را پیشِ نگاهِ مادرش — چاک ز سینه تا کمر، کشته و بے کفن نگر
حاکمِ شهر را که بود، ثانیِ شمر بالیقین — آذر بجائے قید و قتل، سیر کن وطن نگر
بانه بیا به آگره، دجلهٔ خون نظاره کن — یا ز بر دیده کاشمیر، کشتن و سوختن نگر
حیف برین نتیجهٔ نظم و نظام و ذهنیت — تیغِ جفائے هم وطن، بر سرِ هم وطن نگر
هائے زمینِ گزندگان، اے زمینِ زندگان — هند و بهار هند را بسمل و خسته تن نگر
تازه به تازه خونِ خلق موج به موج نو بنو — نعرهٔ حریت شنو، آن لب و این دهن نگر

آن همه ها که بنگری، وان همه ها که بشنوی — پرده بسوز و صورت بالی صد فتن نگر

اے که تو حق نهاده‌ٔ مسلم پاک زادهٔ
در چه بلا فتادهٔ ؟ خیز و بخویشتن نگر

دشمن آدم آدمے، هم سخنے نه همدمے — چشم کشا و یکدمے، فتنهٔ اهرمن نگر
آن همه لغزش و خطا، این همه سازش و دغا — خلوت اهل دل ببین، جلوت اهل فن نگر
بدعت و شرک و افتراق فسق و فجور هم نفاق — جا بجای اتفاق همدم و هم سخن نگر
گاه به کسوت طبیب، روی اجل نظاره کن — گه به لباس راهبر، صورت راهزن نگر
نے خبر از حقیقتے، نے اثر از شریعتے — یک سخن از آن بپرس، یک نگهے بمن نگر
خدمت بے سبب کجا طاعت خاص رب کجا — سادگی عرب کجا، خیز و در انجمن نگر
آتش قهر آشکار برق عناد شعله بار — صورت شیخ را ببین، سیرت برهمن نگر
خیز و بیا، نظاره کن، دل همه پاره پاره کن — شوکت رفته را مجو، عبرت انجمن نگر
جسم ز فاقه زار زار، روح ز درد بیقرار — ما در هند اشکبار، مفلسی وطن نگر

وجه ز مفلسی مپرس، سیم و زر به وطن مجو
رخ بنما به لندن و سیم و زر وطن نگر

جرم و خطا روایتے، عذر و دعا حکایتے — جور فرنگیان مپرس، دار ببین رسن نگر
گاه بروئے معدلت، شان نظر نظر ببین — گه به جبین خسروی، طرز شکن نگر
گاه بیا به شهر و دیهه شورش و دار و گیر بین — گاه برو به سرحد و اذن بزن بزن نگر

جدّتِ افتراق بیں، ندرتِ اشتقاق بیں — فطرتِ چست و چاق بیں، حکمتِ علم و فن نگر
شانِ عمارتے ببیں، طرزِ سیاستے ببیں — ایں ہمہ لعنتے ببیں، واں ہمہ بر وطن نگر
گاہ بہ لب شکایتے، گہ ز غلام زادگاں — دعوی آشتی شنو، نازشِ حسنِ ظن نگر

نغمۂ سرمدی کجا؟ جلوۂ احمدی کجا
سایۂ ایزدی کجا؟ عصمتِ اہرمن نگر

شکوۂ غیر تا کجا، قصۂ جور تا یکے — آنچہ بہ خویشتن گزشت آہ ز خویشتن نگر
مسلمِ ہند زادۂ، پند بگیر و گوش کن — آنچہ بخویشتن گزشت آہ ز خویشتن نگر
ہمتِ دل بجوش آر، جاں ہمہ در خروش آر — پیروی صحابہ کن، اسوۂ پنجتن نگر
فلسفہ سنجیٔ علل، ایں ہمہ وحشت و خلل — رو و بکوش در عمل، باز بہ خویشتن نگر
بادِ مراد می وزد، سبزہ و غنچہ می دمد — رشحۂ فیض می چکد، رحمتِ ذوالمنن نگر

ساغرِ جہد نوش کن، طاعتِ مے فروش کن
باز روش روش خرام، باز چمن چمن نگر!

به اضافۂ کلامِ اردو

دردِ جگر

راز جو سینۂ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
سب سے پہلے دلِ شاعر میں عیاں ہوتا ہے

سخت خوں ریز جب آشوبِ جہاں ہوتا ہے
نہیں معلوم یہ انسان کہاں ہوتا ہے

جب کوئی عشق میں برباد جہاں ہوتا ہے
مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے

حُسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
اہلِ دل کے لئے سرمایۂ جاں ہوتا ہے

ہائے وہ وقت کہ جب حسن پہ آتا ہے شباب
اُف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے

وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب
دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے

کہیں ایسا تو نہیں وہ بھی ہو کوئی آزار
تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے

ہائے وہ سلسلۂ اشک کہ جو تیرے حضور
دل میں رکتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

جگر پارے

مجسم حقیقت، سراپا فسانہ — محبت کا عالم، جنوں کا زمانہ
ہمہ شعر و نغمہ، ہمہ رنگ و نکہت — وہ جانِ تمنا وہ حسنِ یگانہ
وہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم — ادا بے تعلق، نظر مجرمانہ
نظر اُٹھتے اُٹھتے، نظر ملتے ملتے — دھڑکتے دلوں میں وہ نازک فسانہ
حیا میں وہ معصوم سی اک شرارت — شرارت میں موہوم سا اک فسانہ
وہ ہر چھیڑ میں اک نئی زندگانی — وہ ہر بات میں اک نیا شاخسانہ
طبیعت شگفتہ، مگر بہکی بہکی — ہر انداز دلکش مگر والہانہ
وہ بے خواب آنکھوں کا سحرِ محبت — وہ بیتابِ دل کا فسونِ شاعرانہ
وہ اخفائے رازِ محبت کی خاطر — کبھی کچھ بہانہ، کبھی کچھ بہانہ
وہ اشک و تبسم کا پُر کیف موسم — وہ شعر و ترنم کا رنگیں زمانہ
کبھی روئے زیبا پہ غصہ کی لہریا — کہ جیسے کوئی بجلیوں کا خزانہ

غرورِ تحمل، مگر زخم خوردہ
شکستِ محبت مگر فاتحانہ

(تمام شد)